ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

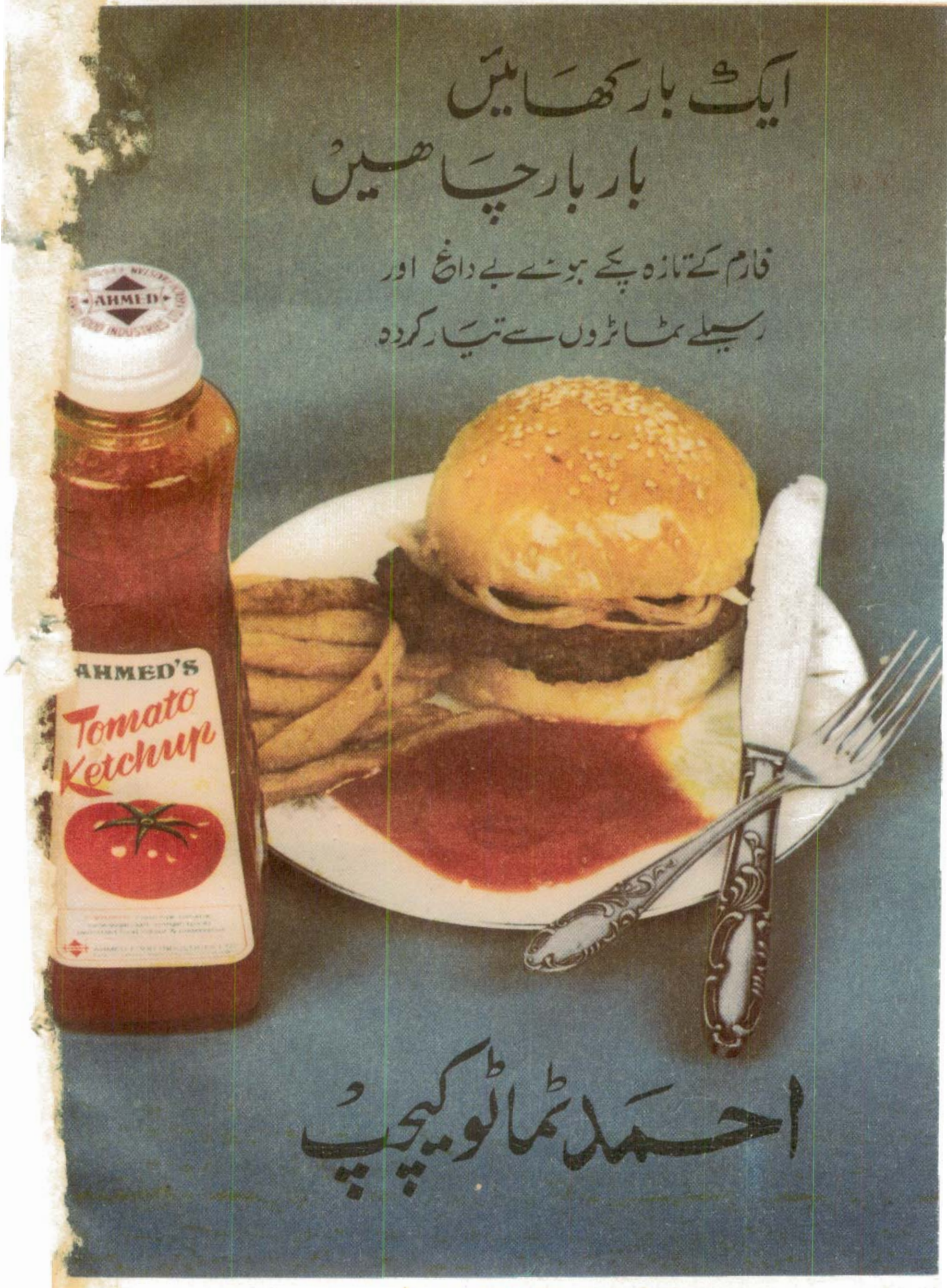
ایک بار کھائیں
بار بار چاہیں
فارم کے تازہ پکے ہوئے بے داغ اور
رسیلے ٹماٹروں سے تیار کردہ
AHMED
AHMED'S
Tomato Ketchup
احمد ٹماٹو کیچپ

جلد نمبر ۔ ۱ شمارہ نمبر ۔ ۱

ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

جولائی ۱۹۸۶ء شوال ۱۴۰۶ ہجری

سرپرست

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

مدیرِ اعلیٰ

ظفر محمود شیخ

مدیر مسئول

تجمل حسین چشتی

مدیرانِ اعزازی

امجد اسلام امجد
محمد سلیم مغل

قانونی مشیر

خواجہ عدیل احمد

ناظم سرکولیشن و اشتہارات

طارق ظفر برنی

قیمت : ۵ روپے

زرِ سالانہ : ۸۵ روپے (معہ ڈاک خرچ و خصوصی نمبر)

ماہنامہ آنکھ مچولی کراچی میں شائع ہونے والی کہانیاں اور ان کے کردار و واقعات فرضی ہیں کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا

ناشر: ظفر محمود شیخ طابع: زاہد علی مطبع: ماریب پرنٹنگ پریس۔ ایم اے جناح روڈ کراچی مقام اشاعت ۱۱۲۔ ڈی ۔ سائیٹ کراچی نمبر ۱۶

گرین گائیڈ اکیڈمی زیرِ سرپرستی (ضمیر الدین میموریل آرگنائزیشن)
۱۱۲۔ڈی نورس روڈ ۔۔۔ سائٹ ۔۔۔ کراچی ۱۶

حسنِ بے ترتیب

عالم چینا
دنیا کا طویل القامت انسان نہیں ہے
عقیل عباس جعفری
۲۴

حق اسکواڈ
اخلاق احمد
۲۷

مانو بلی سے بامحاورہ باتیں
احمد حاطب صدیقی
۷۷

میں، کرکٹ اور بچے
جاوید میاں داد بچوں سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں
۱۵

گھوڑے کا بچہ
۱۹

دائرۂ معلومات
ماہنامہ مقابلۂ معلومات
اُم رباب جعفری
۶۹

پہلے انسان سے پہلے قتل تک
محمد اسلم شیخوپوری
۷

کیا کیوں کیسے؟
سائنسیات
طارق لطیف
۵۱

لڑے دار لطیفے
۶۵

روشنی کی کرن
سید عبدالودود شاہ
۷۳

آخری قدم
ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم
سابق صدر بھارت
۴۱

گھنگھرو والی بلّی
۲۲

کرامتی پیالہ
سید حسن ہاشمی
۹۰

بھلچک بھیا جنگل گئے
ابو اسامہ
۹۴ ۳

فرض شناسی
غازی مختار
۴۵

بدلہ
۱۰۷

اچھا بچّہ
کلیم چغتائی
۵۷

ایف ۱۶
جس کی سہی نہ جائے مار
پروفیسر لطیف اے خان
۸۶

آتش فشاں
زمین کے غصے کا اظہار
محمد سلیم مغل
۹۹

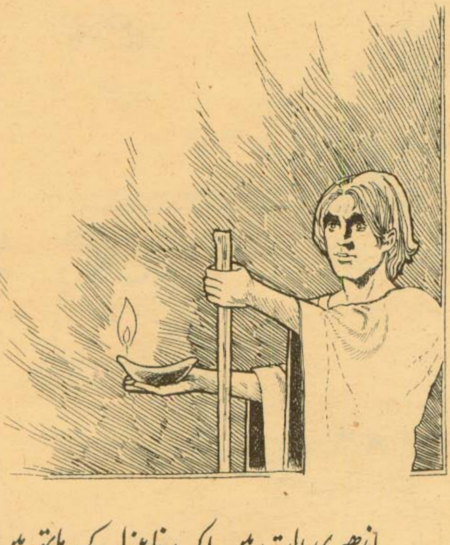

اچھی بات

حکایتِ سعدی

اندھیری رات میں ایک نابینا کے ہاتھ میں چراغ دیکھ کر ایک راہ گیر نے حیرت سے پوچھا کہ "اے بھائی تمہیں تو نظر نہیں آتا پھر یہ چراغ کس لیے ؟"

نابینا نے جواب دیا ... "ہاں بھائی مجھے تو نظر نہیں آتا مگر میں اندھیری رات میں اپنے چراغ سے تمہیں تو راستہ دکھا سکتا ہوں ۔"

بات چیت

دوستو، السلام علیکم

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ "آنکھ مچولی" تکمیل کے تمام مراحل سے بخیر و خوبی گزرنے کے بعد اب آپ کے ہاتھوں میں ہے . . اسے پڑھیئے اور بتایئے کیسا لگا آپ کو یہ رسالہ ؟——— ہم نے اسے اچھے سے اچھا بنانے کی کوشش تو کی ہے اور انشاءاللہ یہ کوشش کرتے بھی رہیں گے لیکن سچی بات یہ ہے کہ اسے اچھا بنانا تو آپ کا کام ہے . . . . ہمارا کام تو آپ ہی کی خوبصورت تحریروں کو یکجا کر کے "آنکھ مچولی" کی شکل میں آپ کو پیش کر دینا ہے آپ بہتر سے بہتر لکھنے کی کوشش کریں گے تو یہ رسالہ بھی خوب سے خوب تر ہوتا چلا جائے گا

اللہ نے چاہا تو ہم ہر بار کوئی نیا سِلسلہ کوئی نئی بات یا کوئی انوکھی چیز آپ کے مطالعے کے لئے شائع کرتے رہیں گے ——— آپ کے خطوط اور ان کے جوابات پر مشتمل ایک نیا سِلسلہ بھی ہم عنقریب شروع کر رہے ہیں جس کا عنوان ہے "ڈاک ڈاک کس کی ڈاک"؟ تو بس پھر جلدی سے اٹھایئے قلم اور فوراً ہمیں خط لکھیئے پھر دیکھیئے ہم آپ کو کیسے مزے دار جواب دیتے ہیں۔

اپنے خطوط میں آنکھ مچولی سے متعلق اپنا تاثر اور اسے خوبصورت ترین بنانے کے لئے اپنی تجاویز ضرور لکھیئے گا۔

آپ کو پہلے شمارے میں بعض چیزیں نظر نہ آنے پر حیرت تو ہوئی ہوگی مثلاً قلمی دوستی، ننھے ادیبوں کی تحریریں اور خطوط و جوابات کا سِلسلہ وغیرہ مگر ظاہر ہے یہ سارے سِلسلے شروع کرنا تو آپ کا کام ہے، آپ فوراً ان تمام سلسلوں میں اپنی تمام صلاحیتوں کے ساتھ شامل ہونے کی کوشش کیجیے . . . ہماری طرف سے انہیں شروع کرنے میں کوئی تاخیر نہیں ہوگی۔

بہت سی باتیں آپ سے کرنے اور کہنے کو ہیں مگر ساری باتیں پہلی ملاقات میں تو نہیں ہو سکتیں . . انشاءاللہ ہر ماہ "آنکھ مچولی" کے ذریعہ ملاقات بھی ہوتی رہے گی اور اچھی اچھی باتیں بھی

خدا حافظ   آپ کا دوست

ظفر محمود

نعتِ رسُولِ مقبُول صلی اللہ علیہ وسلم

جس نام سے آنکھیں روشن ہیں
جس نام سے مہکے اِس دنیا کے گلشن ہیں
وہ نام محمدؐ ہے

وُہ نام ہی ہے سب سے اچھا
وُہ نام ہی ہے محبوبِ خُدا
وُہ نام ہی ہے سیدھا رستہ
جس نام سے جگمگ آنگن ہیں
جس نام سے مہکے
اس دُنیا کے گلشن ہیں
وہ نام محمدؐ ہے

وُہ نام محبّت والا ہے
وُہ نام بڑا اُجیارا ہے
وُہ نام ہی سب سے پیارا ہے
جس نام سے ہم سب درپن ہیں
جس نام سے مہکے
اس دُنیا کے گلشن ہیں
وہ نام محمدؐ ہے

(سلیم کوثر)

درپن : آئینہ

پہلے انسان سے پہلے قتل تک

محمد اسلم شیخوپوری

آج سے لاکھوں برس پہلے یہ دنیا خالی خولی تھی نہ شہر تھا نہ آبادیاں فلک بوس مکان تھے۔ نہ پکّی اور صاف ستھری سڑکیں۔ سفر اور بار برداری کے لئے گاڑیاں تھیں نہ ریل کاریں بجلی کے قمقمے تھے۔ نہ چکا چوند روشنیاں تھیں ہر طرف ویرانی اور وحشت تھی زمین بے آباد تھی انسان کا نشان تک نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ جو اس کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اس نے اسے آباد کرنے کا پروگرام بنایا۔ مٹی کا ایک پتلا بنایا وہ بے جان تھا اس میں جان ڈال دی وہ گونگا تھا اسے آباد کرنے کی صلاحیت عطا کی وہ چلنے پھرنے سے معزور تھا اسے چلنے کی قوت دی پھر اسے علم عطا کیا اور علم کی وجہ سے آدم کو فضیلت اور عظمت بخشی تمام مخلوق پر یہاں تک کہ اپنی نورانی اور مقدس مخلوق فرشتوں کو اس کی خدمت اور آرام رسائی پر مقرر کیا ملائکہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا وہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے۔ فرمانبرداری ان کی عادت اور ان کی خوراک عبادت ہے وہ جان گئے تھے کہ آدم کے پاس علم ہے اور علم اللہ کا نور ہے جو اس کی خاص نعمت ہے دنیا کی بڑی سے بڑی شے علم کا مقابلہ نہیں کر سکتی اس لئے وہ آدم کی خدمت اور چاکری پر دل و جان سے راضی ہو گئے۔ آدم اکیلا تھا اس جیسا کوئی دوسرا انسان نہ تھا۔ اکیلے کا دل گھبراتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بی بی حوّا کو پیدا کیا تاکہ وہ آدم کو آرام پہنچائے اُس کی تنہائی ختم ہو اور دونوں سے بچّے پیدا ہوں تاکہ خالی خولی دنیا آباد ہو اور یہ بچّے بڑے ہو کر دنیا کا نظام سنبھالیں اور اُسے اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق چلائیں پہلے پہل اللہ تعالیٰ نے آدم اور حوّا کو جنّت میں رکھا وہاں رنگا رنگ باغات تھے، طرح طرح کے میوہ جات تھے اور پھل تھے پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ دُودھ اور شہد کی نہریں تھیں۔ آدم اور آدم کی تمام اولاد کا اصلی ٹھکانہ جنّت ہی ہے!

خوبصورت پرندے اور ننھی ننھی تتلیاں تھیں ہر طرف حُسن اور خوبصورتی تھی۔ نہ کوئی بیماری تھی نہ

کوئی پریشانی نہ آفت تھی نہ مصیبت بس خوشی ہی خوشی تھی آرام ہی آرام تھا مزے ہی مزے تھے۔ شیطان کو اپنے آپ پر آدم کی یہ فضیلت پسند نہ آئی ابلیس نے آدم کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا اُس نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور کہا میں بڑا ہوں مجھے آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔

آدم کو مٹی سے بنایا گیا ہے، میں آدم کے سامنے ہرگز نہ جھکوں گا اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے تکبّر کو ناپسند کیا اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے سے خوش نہیں ہوتے بلکہ اُسے دُنیا اور آخرت میں ذلیل و رسوا کرتے ہیں متکبّر کو کوئی بھی اچھا نہیں سمجھتا وہ دنیا میں بھی ذلیل ہوتا ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اپنے دربار سے ذلیل کر کے نکال دیا۔ ابلیس نے طبعی زندگی کی مُہلت مانگی اسے مہلت دے دی گئی ابلیس نے کہا میں آدم کی اولاد کو گمراہ کروں گا۔ ان کو نیکی سے روکوں گا۔ اور برائیوں میں مبتلا کروں گا۔ میں بھیس بدل کر انسانوں کے پاس آؤں گا اور ان کے دل میں وسوسے اور بُرے خیال ڈالوں گا۔ اور ان کو ظلم، گناہ، چوری، جھوٹ اور خیانت جیسی برائیوں میں مبتلا کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو میرے نیک بندے ہیں وہ تیری بات ہرگز نہیں مانیں گے اور اپنے بندوں کو میں جنت میں جگہ دوں گا۔ جہاں خوشی ہوگی آرام ہوگا اور مزے ہوں گے اور جو میری نافرمانی کریں گے۔ مجھے چھوڑ کر تیری بات مانیں گے اُن کو جہنم میں ڈالوں گا۔ جہنم میں عذاب ہوگا آگ ہوگی۔ کھولتا ہوا پانی ہوگا اور طرح طرح کی مصیبت اور پریشانی ہوگی۔

اس نے سوچا آدم ہی کی وجہ سے ذلیل اور خوار ہوا ہوں اس لئے اپنی ذلت اور رسوائی کا بدلہ آدم سے ضرور لوں گا۔ ابلیس نے آدم سے میٹھی میٹھی باتیں کیں اور اس کے دل میں خوبصورت خیالات اور وسوسے ڈالے آدم اس کی میٹھی میٹھی باتوں میں آ گئے۔

اور اللہ کے حکم کو بھول گئے اللہ تعالیٰ نے آدم اور حوّا دونوں کو دُنیا میں بھیج دیا۔ اور آدم کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنایا اور گناہ کی معافی مانگنے کا طریقہ سکھایا۔ حضرت آدم سولہ سال روتے رہے اور اپنی غلطی کی معافی مانگتے رہے۔ گناہوں کی معافی مانگنے والوں کو اللہ تعالیٰ بے حد پسند کرتا ہے اور ان سے بے حد خوش ہوتا ہے اور ان کے درجات کو بلند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو معاف کر دیا اور اُن کے درجات کو بلند کیا۔ حضرت آدم اور اماں حوّا سے پہلے دنیا میں کوئی انسان نہ تھا نسل انسانی کا آغاز ان دونوں سے ہوا آدم اور حوّا نے بہت سارے بچوّں کو جنم دیا۔ ان بچوّں نے جوان ہو کر آپس میں شادیاں کیں۔ اور پھر ان کے ہاں اولاد پیدا ہوئی یوں دنیا میں انسان پھلنے پھولنے

لگا۔ آبادی بڑھنے لگی گھروندے بننے لگے کھیتی باڑی ہونے لگی رزق کی تلاش میں انہوں دور دراز جنگلوں کے سفر کئے اور یوں زمین آباد ہوئی حضرت آدم اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔ وہ لوگوں کو بتاتے تھے کہ ہم دنیا میں امتحان اور آزمائش کے لئے بھیجے گئے ہیں ہماری دنیا کی زندگی عارضی ہے۔ ہمارا اصل گھر جنت ہے۔ لیکن جنت میں صرف وہی لوگ جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کریں گے کسی کو تکلیف نہ دیں گے کسی کا حق نہیں ماریں گے۔ جھوٹ چغلی چوری اور خیانت سے بچیں گے اور وہ لوگ جہنم میں جائیں گے جو بُرے کام کریں گے ———— حضرت آدم کے خاندان میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا حضرت آدم کے دو بیٹے تھے ایک کا نام ہابیل تھا دوسرے کا نام قابیل تھا۔ ہابیل انتہائی متقی پرہیزگار اور نیک آدمی تھا کبھی جھوٹ نہ بولتا اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم کی نافرمانی نہ کرتا وہ لوگوں سے محبت کرتا لوگ اس سے محبّت کرتے کسی کو تکلیف نہ پہنچاتا۔ قابیل اس کی مقبولیت دیکھ کر جلتا رہتا ہابیل کی بیوی بھی نیک اور خوبصورت تھی جب کہ قابیل کی بیوی ایسی نہ تھی۔ ہابیل جب بھی اللہ کے راہ میں دیتا اچھا اور عمدہ مال دیتا لیکن قابیل گھٹیا اور ردّی مال پیش کرتا اس لئے ہابیل کی قربانی اور سخاوت قبول کرلی جاتی اور قابیل کا مال قبول نہ کیا جاتا۔ ان باتوں نے قابیل کو حسد میں مبتلا کردیا۔ حسد بہت بُرا مرض ہے۔ حاسد شخص ہر وقت پریشان رہتا ہے۔ اس کی دنیا اور دین دونوں تباہ ہوجاتے ہیں۔

قابیل کے دل میں حسد کا مرض پیدا ہوگیا تھا اس لئے وہ ہر وقت جلتا رہتا اُسے ایک لمحہ بھی اطمینان نصیب نہ ہوتا۔ اس نے ایک خوفناک منصوبہ بنایا اس نے سوچا کیوں نہ ہابیل کو قتل ہی کر ڈالوں تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ ایک دن غصّہ میں تلملاتا ہوا وہ ہابیل کے پاس پہنچا۔ اور اس سے کہا میں تجھ کو قتل کئے بغیر نہ چھوڑوں گا۔

ہابیل نے نہایت تحمل اور نرمی سے جواب دیا میں تو کسی طرح تجھ پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا باقی تیری جو مرضی ہو وہ کر۔ رہا قربانی کا معاملہ سو اللہ تعالیٰ کے ہاں نیک نیّت کی قربانی قبول ہوتی ہے۔ بدنیّت کی عبادت اور صدقہ یا خیرات کی اللہ کے ہاں کوئی قدر نہیں۔ قابیل پر اپنے بھائی کی نصیحت کا الٹا اثر پڑا اور اس نے غصّہ سے مشتعل ہوکر اسے بے دردی سے قتل کردیا۔ انسانی تاریخ کا یہ پہلا قتل تھا۔ دنیا میں قتل کی ابتداء کرنے والا سب سے پہلا انسان قابیل تھا۔ اس لئے ہمارے پیارے اور سچے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کہ دنیا میں جب کوئی قتل ہوتا ہے تو اس کا گناہ حضرتِ آدمؑ کے پہلے بیٹے (قابیل) کی گردن پر ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے ظالمانہ قتل

کی ابتدا، کی اور یہ ناپاک رسم جاری کی۔ قتل کے بعد قابیل کو پریشانی لاحق ہوئی کہ مردہ بھائی کی نعش کو کہاں چھپائے۔ ابھی تک اولادِ آدمؑ میں سے کوئی نہیں مرا تھا، اس لئے آدمؑ نے مردے کے بارے میں خدا کا کوئی حکم بھی نہیں سنایا تھا۔ یکایک اس نے ایک کوّے کو دیکھا جو زمین کھود رہا تھا چھوٹا سا گڑھا کھودنے کے بعد اس نے ایک مردہ کوّے کو اس میں دبا دیا۔ قابیل نے یہ منظر دیکھا تو اپنی حماقت پر افسوس کرنے لگا۔ بے ساختہ اس کے منہ سے یہ جملہ نکلا "ہائے افسوس! کیا میں ایسا گیا گزرہ ہوگیا کہ اس کوّے جیسا بھی نہ بن سکا۔ وہ ندامت سے پانی پانی ہوگیا اور پھر کوّے کی طرح گڑھا کھود کر اپنے بھائی کی لاش کو اس میں چھپا دیا۔ قابیل کو شرمندگی تو ہوئی لیکن اب پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

عالمی چمپئن جہانگیر خاں اور مصر کے جمال اعواد کے مابین ۳۰ مارچ ۱۹۸۳ کو کھیلا گیا۔ کھیل کا دورانیہ ۲ گھنٹے ۴۵ منٹ تھا جبکہ صرف پہلا گیم ہی ایک گھنٹہ گیارہ منٹ کا تھا۔

دنیا کا سب سے قدیم عجائب گھر "اشمولین میوزیم" برطانیہ میں آکسفورڈ کے مقام پر ہے۔ یہ ۱۶۷۹ میں تعمیر ہوا تھا۔ سب سے بڑا عجائب گھر "امریکن میوزیم آف نیچرل ہسٹری" ہے، یہ عجائب گھر ۱۸۷۴ میں نیویارک میں تعمیر ہوا تھا۔ یہ کل ۲۳ ایکڑ رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔

ٹریفک کے لحاظ سے مصروف ترین پل کلکتہ کا ہاوڑہ پُل ہے۔ جو دریائے ہوگلی پر واقع ہے۔ اس پر سے تقریباً ۵۷,۰۰۰ سواریاں گزرتی ہیں۔

دنیا کی طویل ترین جنگ انگلینڈ اور فرانس کے درمیان ہوئی جو ایک سو پندرہ سال تک جاری رہی (یعنی ۱۳۳۸ سے ۱۴۵۳ تک)

دنیا کی مختصر ترین جنگ برطانیہ اور زنجبار کے درمیان ہوئی جو ۲۷ اگست ۱۸۹۶ء میں صبح ۹ بج کر ۲ منٹ پر شروع ہوئی اور ۹ بج کر ۴۰ منٹ پر ختم ہو گئی۔

آنکھ مچولی

نفیس فریدی

آؤ کھیلیں کھیل پیارا آنکھ مچولی کھیل
آؤ آنکھ مچولی کھیلیں تمہارے کھیل بھلائیں   پٹی باندھیں آنکھوں پر اور ایک کو چور بنائیں
خاموشی سے بھاگ دوڑ کر باقی سب چھپ جائیں   آؤ ہم کو ڈھونڈو آ کر، مل کر صدا لگائیں
کیا اچھا ہو چور میاں اس کوشش میں ہوں فیل
آؤ کھیلیں کھیل پیارا آنکھ مچولی کھیل

آہٹ پا کر کھوج لگا کر چور جسے بھی چھو لے   پھر وہ فوراً چور بنے پٹی آنکھوں پر باندھے
باقی جب سب چھپ جائیں تو وہ سب کو ڈھونڈے   اسی طرح یہ ٹولی مل کے آنکھ مچولی کھیلے
پھول اور کلیوں میں بڑھتا ہے اس سے اور بھی میل
آؤ کھیلیں کھیل پیارا آنکھ مچولی کھیل

The Height of Delight!

Montgomery

Biscuits, Sweets and Toffees

M-K/13.8.84 ORIENT

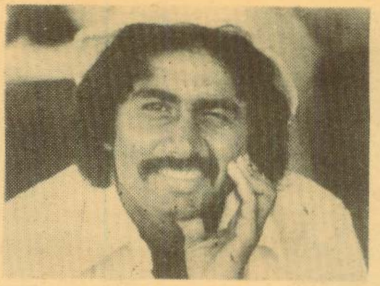

پیغام
جاوید میانداد

ماھنامہ "آنکھ مچولی" کا اجراء یقیناً خوشی کی بات ہے
"آنکھ مچولی" خوبصورت اور مناسب ترین نام ہے۔ اِسے سُننے کے بعد
اس وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ .. یہ رسالہ بچوں کے
لیئے ہے۔

یوں تو مارکیٹ میں بچوں کے بہت سے رسائل دستیاب ہیں
مگر اب بھی ایک ایسے رسالے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو بچوں
کو صاف ستھرا ادب فراہم کرے، اُنکی معلومات کو بڑھائے اور اِن میں
اچھے رسائل اور کتابیں پڑھنے کا ذوق پیدا کرے، چونکہ میں رسائل
سے متعلقین کو ذاتی طور پر جانتا ہوں اس لئے توقع رکھتا ہوں کہ یہ لوگ
"آنکھ مچولی" کو ایک بامقصد رسالہ بنانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔

میری دُعا بھی ہے اور خواہش بھی کہ یہ رسالہ جدید دور کے
جدید تقاضے پورے کرتا ہو اور آج کے بچّے اس رسالے کے ذریعہ جدید دور کی
اہم تبدیلیوں سے باخبر ہوں۔

میرا تعلق کھیلوں کی دُنیا سے ہے، اس لئے یہ ضرور کہوں گا کہ اپنے
رسالے میں کھیل سے متعلق اچھے اور معلوماتی مضامین ضرور شائع کیا
کریں۔ تاکہ بچّے جو کھیل میدان میں سیکھتے ہیں، اُن کے متعلق اہم
معلومات آپ کے رسالے سے حاصل کرسکیں۔

موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے ننھے منے دوستوں سے بھی کہوں گا کہ

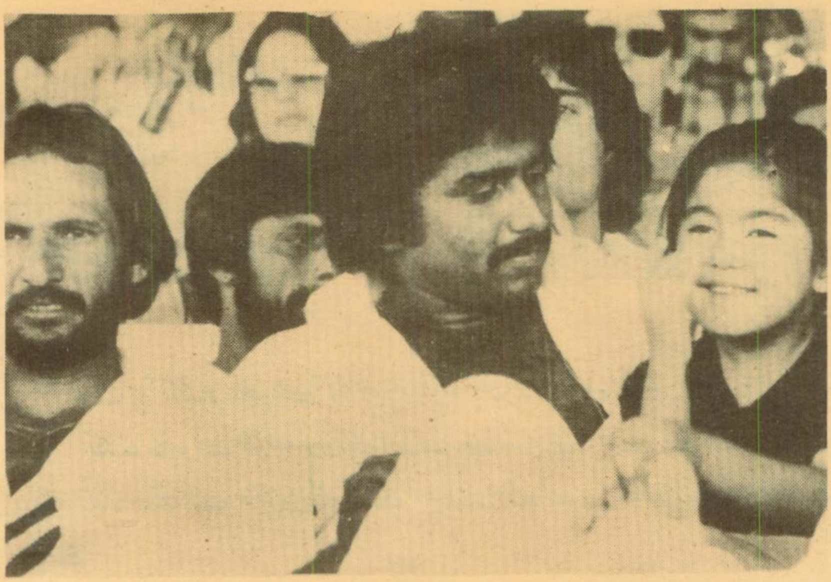

اچھے رسائل اور کتب کو ضرور پڑھا کریں اور کھیل کے وقت کھیلا بھی ضرور کریں کیونکہ کھیل انسانی صحت کے لئے بہت ضروری ہیں مگر خیال رہے کہ کھیل اور تعلیم کا توازن کہیں بگڑ نہ جائے... "کھیل کے وقت کھیل... پڑھائی کے وقت پڑھائی"

میری دعا ہے کہ آنکھ مچولی کے پڑھنے والے بچے مستقبل میں بڑے آدمی بن کر ملک کا نام روشن کریں.. کھیلوں سے متعلق جو ذمہ داریاں آج ہم پر ہیں وہ کل آپ ہی سنبھالیں گے لہٰذا اس کے لئے ابھی سے تیاری کریں... میں یہاں اپنی کرکٹ کی زندگی کے کچھ دلچسپ واقعات لکھ رہا ہوں۔ پڑھئے اور بتایئے کیسے لگے یہ واقعات آپ کو؟

آپ کا دوست

جاوید میانداد

میں، کرکٹ اور بچّے

جاوید میانداد بچّوں سے اپنی محبّت کا اظہار کرتے ہیں

"کرکٹ کا شوق تو مجھے بچپن ہی سے تھا۔ اپنے والد صاحب کے ساتھ میں کرکٹ میچ دیکھنے جاتا تھا اور وہی کھیل کے سلسلے میں میری حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے۔ اسکول کے زمانے ہی سے میں نے اچھی کرکٹ کھیلنا شروع کر دی تھی اور بڑے لڑکوں کی ٹیموں میں شامل کیا جانے لگا تھا۔ کرکٹ اس وقت تک پیشہ تو بنا نہیں تھا، صرف تفریح ہی کا ذریعہ تھا۔ میری کوشش یہی ہوتی تھی کہ جس طرح مجھے کھیل میں مزہ آرہا ہے، اُسی طرح دیکھنے والے بھی اس سے لطف اندوز ہوں۔ اسی لئے گراؤنڈ پر میری دیگر کھلاڑیوں سے اور اگر باؤنڈری کے قریب کھڑا ہوں تو تماشائیوں سے عموماً چھیڑ چھاڑ جاری رہتی ہے۔ ان حرکتوں سے کھیل کے مشکل لمحوں میں جو ذہن پر بوجھ ہوتا ہے وہ کم ہو جاتا ہے۔"

" شاید میرا ایک شرارتی کھلاڑی کا جو تاثر بنا ہوا ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ میں کافی کم عمری ہی میں ٹیسٹ کرکٹ کھیل گیا تھا۔ اب اُس عمر میں زیادہ سنجیدگی کہاں ؟ کبھی رن لیتے ہوئے کسی کھلاڑی کو بلا رسید کر دیا، کسی کی ٹوپی پہن لی۔ اس قسم کے کام تو ہوتے ہی رہتے تھے۔ فیلڈنگ کرتے ہوئے کبھی بیٹسمین کو بال پکڑنے کا دھوکہ دینے میں بھی بہت مزہ آتا تھا۔ تماشائیوں کو خوش کرنے کی خاطر ہم نے تو کان بھی پکڑے ہیں اور بھارت میں تو ایک مرتبہ باؤنڈری پر کھڑے کھلاڑی کو اٹھک بیٹھک بھی کرنی پڑی۔"

" بچے مجھے بہت پسند ہیں اور ان سے میری بہت جلد دوستی ہو جاتی ہے۔ اب تو میرا اپنا بیٹا بھی کھیلنے کی عمر تک پہنچ گیا ہے۔ مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے بچوں کے ساتھ کھیلنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے دیا ہو، ۱۹۷۹ء میں ہم مشتاق کی کپتانی میں نیوزی لینڈ گئے تھے۔ گراؤنڈ میں تو ظاہر ہے بھرپور توجہ کھیل ہی پر دینی ہوتی ہے، لیکن جس وقت بھی ہم تھوڑا سا فارغ ہوتے تھے، باؤنڈری کے باہر وہاں کے بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیلتے تھے۔ ہمیں بھی اس سے بہت خوشی ہوتی تھی اور ان بچوں کو بھی وہاں کے لوگوں نے بھی بچوں سے ہماری دوستی کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا۔"

" کرکٹ کے ناطے دنیا کے مختلف ملکوں کی سیر کی۔ ہر جگہ کے لوگوں کے مختلف طور طریقے ہوتے ہیں۔ ہمارے یہاں کچھ تماشائی شور وغل کر کے یا کینو مالٹے گراؤنڈ میں پھینک کر توجہ حاصل کرنے

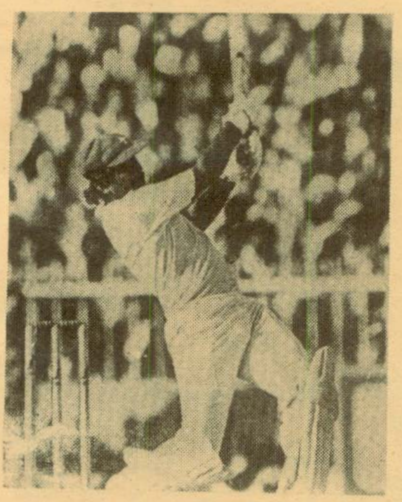

کی کوشش کرتے ہیں۔ آسٹریلوی تو خوب ہی ہیں۔ دو مرتبہ ہمارے میچوں کے دوران ایسا ہوا کہ ایک تماشائی ننگ دھڑنگ گراؤنڈ میں کُود آیا۔ ظاہر ہے، ایک ہنگامہ سا مچ گیا۔ پولیس والے بھی اُسے پکڑنے کو دوڑنے اور کھلاڑی بھی تاکہ اُسے باہر نکال کر کھیل جاری کیا جائے۔

" کرکٹ کی وجہ سے ملکوں ملکوں گھومے۔ ہر جگہ کے طور طریقے عجیب وغریب ہوتے ہیں۔ کھانے پینے کا مسئلہ تو ہمیشہ ہی رہتا ہے۔ ایک مرتبہ ہم ویسٹ انڈیز کے دورے پر گئے ہوئے تھے۔ کھانا کھانے کے لئے ہارون رشید، کرنل شجاع اور میں ایک ہوٹل میں گئے۔ مینو اٹھایا تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ بھوک بہت زور سے لگ رہی تھی مینو میں ایک ڈش ماؤنٹین چکن تھی۔ ہم نے سوچا کہ ایک ہی نام جانا پہچانا لگ رہا ہے یہی منگواتے ہیں۔ ہم لوگوں نے کھانا شروع کیا تو سرفراز نواز ٹہلتے ہوئے وہاں آ گئے۔ انہوں نے ہم سے پوچھا کہ کیا کھا رہے ہو۔ جب ہم نے بتایا کہ ہمیں تو اپنی پریشانی کا یہی ایک حل ملا تھا تو سرفراز نواز زور زور سے قہقہے لگانے لگے۔ انہوں نے بتایا کہ ویسٹ انڈیز میں ماؤنٹین چکن —— مینڈک کو کہتے ہیں۔ مت پوچھئے یہ سن کر ہمارا کیا حال ہوا۔ ہم بے چارے تو پہلی پہلی مرتبہ وہاں کے دورے پر گئے تھے، ہمیں کیا معلوم تھا۔ سرفراز تو وہاں پہلے بھی جا چکے تھے اس لئے انہیں معلوم تھا۔ خیر اسے بھی ہم نے کرکٹ کی ذریعے حاصل کردہ ایک تجربہ ہی تصوّر کیا۔

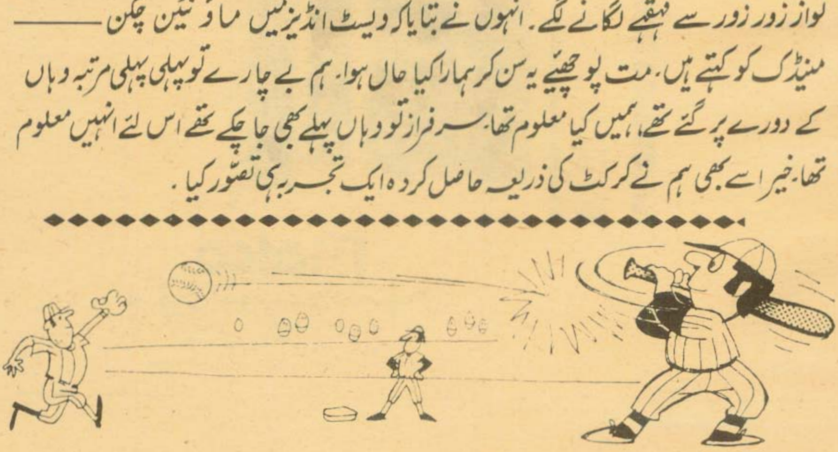

Malco

المونیم کے دروازے اور کھڑکیاں

Malco

ماڈرن المونیم کمپنی

۱۰۲- آل آمنہ پلازہ ، مقابل کیپری سینما
ایم- اے- جناح روڈ- کراچی
فون : 710769-239033 شاں؛ Windows

دو چینی کہانیاں

گھوڑے کا بچہ

پاک چین دوستی کی
۳۵ ویں سالگرہ کے موقع پر

پہاڑی علاقے کے ایک گاؤں میں گھوڑوں کا ایک اصطبل تھا جس میں بڑے بڑے گھوڑے رہتے تھے۔ یہ گھوڑے کھیتوں کی جتائی کرتے، گاڑی کھینچتے اور ہر روز خوشی خوشی اپنا کام انجام دیتے۔

ایک دن ایک بڑی سفید گھوڑی نے ایک چھوٹا گھوڑا جنم دیا۔ چھوٹا گھوڑا دن بھر ماں کے ساتھ رہتا تھا۔

ایک دن ماں نے چھوٹے گھوڑے کو آٹے کی چکی میں گیہوں کا ایک تھیلا پہنچانے کے لئے کہا۔ چھوٹا گھوڑا گیہوں کے تھیلے کو اپنی پیٹھ پر لاد کر آٹے کی چکی کی طرف تیزی سے دوڑنے لگا۔

دوڑتے دوڑتے اس کی راہ میں ایک ندّی آئی جس کا پانی زور شور سے بہہ رہا تھا۔
وہاں اس کی ملاقات ایک بوڑھے بیل سے ہوئی جو ندّی کے کنارے گھاس چر رہا تھا۔
چھوٹے گھوڑے نے اس سے پوچھا: "بیل چچا کیا میں ندی کو پار کر سکتا ہوں؟" بیل چچا نے جواب دیا: "ہاں، اس لئے کہ پانی کم ہے اور صرف میری پنڈلی کے برابر ہے اور کل ہی میں نے اس ندی کو پار کیا تھا۔"

بیل چچا کی یہ بات سن کر چھوٹا گھوڑا ندی کو پار کرنا ہی چاہتا تھا کہ ایک ننھی گلہری دوڑی ہوئی آئی اور چھوٹے گھوڑے سے چیخ چیخ کر کہنے لگی: "ندی پار کرنے کی کوشش نہ کرو! اس لئے کہ اس کا پانی بہت گہرا ہے اور کل ہی میری ایک ساتھی ندی پار کرتے وقت ڈوب کر مر گئی۔"
اب تو چھوٹا گھوڑا سخت شش و پنج میں مبتلا ہو گیا کہ کیا کرے۔ بیل چچا کی بات درست مانے یا ننھی گلہری کی؟ اور وہ خود سوچے بغیر ماں سے پوچھنے کے لئے گھر واپس ہو گیا۔
ماں نے جب اس سے اس کی واپسی کا سبب دریافت کیا تو چھوٹا گھوڑا پریشان ہو کر کہنے لگا: "راستے میں ایک ندّی ہے۔ بیل چچا کہتے ہیں کہ ندّی میں پانی کم ہے اور میں اسے پار کر سکتا ہوں لیکن ننھی گلہری کہتی ہے کہ پانی گہرا ہے اور میں ندّی پار نہیں کر سکتا۔"
ماں نے کہا کہ "بیٹے! پانی زیادہ ہے یا کم اور یہ کہ تم اسے پار کر سکتے ہو یا نہیں یہ باتیں تمہیں خود غور سے سوچنی چاہئیں۔ کیا تم نے اس پر خود غور کیا ہے؟" چھوٹے گھوڑے نے شرمندگی سے نفی میں گردن ہلا دی۔
پھر ماں پیار سے بولی کہ "بیل چچا لمبے ہیں اس لئے ان کی جسامت کے اعتبار سے پانی کم ہے۔ گلہری بہت چھوٹی ہے اور اسے تھوڑا سا پانی غرق کر سکتا ہے اس لئے اس کی جسامت کے اعتبار سے پانی گہرا ہے۔ ان دونوں نے اپنے اپنے حالات کے مطابق بات کہی ہے۔ اب تم اپنے قد کے مطابق فیصلہ کرو۔ چھوٹا گھوڑا فوراً سمجھ گیا اور منہ موڑ کر بھاگا۔
بھاگتا ہوا وہ ندّی کے کنارے آیا تو اس کی ملاقات بیل چچا اور ننھی گلہری دونوں سے ہو گئی۔ دونوں اب بھی اپنی رائے میں پیش پیش تھے مگر دونوں ایک دوسرے کی ضد تھے۔
اب چھوٹے گھوڑے نے خود فیصلہ کرنے کی ٹھانی۔ پہلے اس نے اپنا قد بیل چچا کے قد سے ملا کر دیکھا، اس کے بعد اس نے اپنا قد گلہری کے قد سے ملایا اور پھر بولا: "اب میں خود

پانی کی گہرائی آزماؤں گا۔

چھوٹے گھوڑے نے ندّی کو آسانی سے پار کرلیا۔ اسے اندازہ ہوا کہ پانی اس کے قد کے لحاظ سے نہ اتنا گہرا ہے جتنا گلہری کا خیال تھا اور نہ اتنا کم ہے جتنا بیل چچا کہتے تھے۔ بات یہ تھی کہ وہ قد میں بیل چچا سے چھوٹا اور گلہری سے بڑا تھا۔

چھوٹا گھوڑا جب گیہوں پہنچا کر واپس آیا تو ماں نے اس کی تعریف کی۔

اب چھوٹا گھوڑا جب بھی کسی ایسے معاملے سے دوچار ہوتا ہے جس سے وہ ناواقف ہو تو وہ اسے دوسروں سے دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس مسئلے پر خود غور و فکر کرنے کے بعد کسی اٹل فیصلے پر پہنچ کر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح اس کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

گھنگھرو والی بلّی

می می بلی ذرا بڑی ہوئی تو ماں اسے چوہے پکڑنا سکھانے لگی۔

ایک دن اندھیرا ہو رہا تھا کہ می می اچانک ایک کونے میں جھپٹ پڑی۔

اور اگلے ہی لمحے ایک چوہا پکڑ کر ماں کے پاس آگئی۔ پہلی بار چوہا پکڑنے پر می می خوش تھی۔ ماں نے بھی اس کی تعریف کی: "واہ واہ، می می! جیتی رہو۔"

می می نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے کہا: "میں بڑی ہوگئی ہوں۔ اب میں خود ہی چوہے پکڑ سکتی ہوں۔" ماں نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا:

"غرور اچھی بات نہیں۔ ابھی تمہیں اور مشق کی ضرورت ہے۔"

می می خوب دل لگا کر مشق کرنے لگی۔ جو چوہا اپنے بل سے نکلتا اس کے لئے زندہ واپس جانا ناممکن ہو جاتا۔

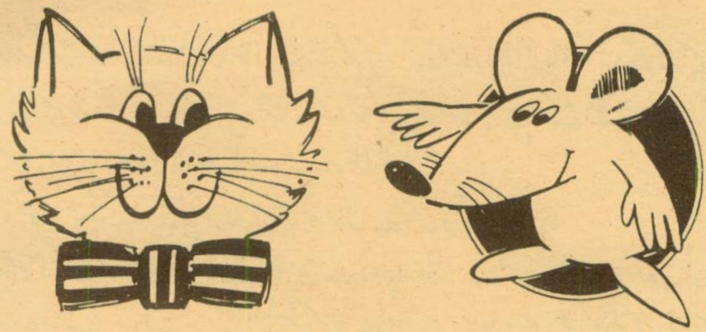

می می کے دوست اس کی خوب تعریفیں کرتے: "می می، تم نے تو چوہے پکڑنے میں کمال کر دیا ہے!"

"کمال!" می می خوش ہو جاتی اور کہتی۔ "ہاں، میں واقعی ماہر ہو چکی ہوں!"

می می اپنی تعریف پر خوشی سے پھول کر کپّا ہو جاتی۔ ایک دن ایک چھوٹے چوہے کو اس کی کمزوری کا پتہ چل گیا اور اسے فوراً ایک ترکیب سوجھ گئی۔ وہ می می کو پکار کر بڑے خوشامد بھرے لہجے میں کہنے لگا:

"پیاری می می، تم بہت ہوشیار ہو!"

"ہوشیار؟" می می نے مڑ کر دیکھا تو ایک چھوٹا سا چوہا کھڑا تھا۔ یوں تو وہ چوہے کو دیکھ کر یک دم جھپٹ پڑتی تھی، لیکن اس وقت اپنی تعریف سن کر خوشی کے مارے وہیں بیٹھی رہی۔

چھوٹا چوہا اپنے بل میں آیا اور ساتھیوں سے کہنے لگا۔ "میں ایک خوشخبری لایا ہوں۔ می می بہت خوشامد پسند ہے۔ میں نے اس کی جھوٹ موٹ تعریف کی تو وہ مجھے پکڑنا ہی بھول گئی۔"

"واقعی؟" ایک بڑا چوہا خوشی سے اچھل پڑا: "اچھا! می می ایسی بلّی ہے۔ اب ہم اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ کل میں تمہیں ساتھ لے کر اس سے ملنے جاؤں گا۔"

اگلے دن، بڑا چوہا انہیں ساتھ لے کر می می سے ملنے آیا۔ اس نے ایک بڑا سا بنڈل بھی اٹھا رکھا تھا۔

می می کے پاس آ کر اس نے اونچی آواز میں کہا۔ "می می آپ ایک عظیم بلّی ہیں۔ آج سے

آپ ہماری 'ملکہ' ہیں۔"

می می نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ چوہوں کی "ملکہ" بن سکتی ہے۔ یہ سن کر اس کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔

چوہوں نے ایک ساتھ بولنا شروع کر دیا: "یہ بالکل سچ ہے۔ ہماری ملکہ کی نظریں بہت تیز ہیں۔ آپ دوڑتی ہیں تو ہوا سے باتیں کرتی ہیں۔ ہم کہیں بھی چھپے ہوں، آپ کے پنجوں سے بچ کر نہیں نکل سکتے۔" یہ باتیں سن کر می می باغ باغ ہو گئی۔

بڑے چوہے نے کہا۔ "آج ہم اپنی ملکہ کے لئے سونے کا گھنگرو لے کر آئے ہیں۔ ہمارا یہ گھنگرو آپ کے گلے میں بہت سجے گا۔" "کیا؟ ملکہ کے لئے سونے کا گھنگرو؟" می می کی باچھیں کھل گئیں۔

چوہے نے جلدی سے بنڈل کھولا اور کہنے لگا۔ "آپ یہ سونے کا گھنگرو گلے میں باندھ لیں۔ اس کی آواز سن کر ہم فوراً کے سامنے آجایا کریں گے۔ اور آپ کو ہمارے پیچھے بھاگنے کی تکلیف بھی نہیں اٹھانی پڑے گی۔"

"واہ! بہت خوب!" می می سونے کی گھنگرو باندھنے کے لئے بے چین ہو گئی۔

چوہوں نے سونے کا گھنگرو می می کے گلے میں باندھ دیا اور بولے: "ملکہ عالیہ، اب آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں!"

می می نے سمجھا کہ وہ سچ مچ ملکہ بن گئی ہے تو ناچنے لگی، اور گھنگرو کی چھن چھن سنائی دینے لگی۔

اس طرح می می چوہوں کے دھوکے میں آگئی۔ وہ جہاں بھی جاتی، چوہے گھنگرو کی آواز سن کر بلوں میں گھس جاتے۔

می می کے لئے چوہوں کو پکڑنا ممکن نہ رہا اور وہ بھوکوں مرنے لگی۔

...eighed 170 lb ... Alton, ...family home. His last ...says I won't get home ...orations' (a reference to his ...andparents golden wedding).

...table of the tallest giants of all-time in the 31 countries with men taller than 7 ft 4 in *223,5 cm* was listed in the 15th edition of the *Guinness Book of Records* (1968) at page 9.

Muhammad Aalam Channa (b. Sehwan, 1956), who works as an attendant at the shrine of Lal Shahbaz Qalandar in Pakistan assumed the role of the world's tallest man in 1981 with the death of Don Koehler (see left). A height of 8 ft 2¾ in *251 cm* attributed to him by news agencies and the international press was proved in 1984 to be exaggerated by some 15 cm *5.9 in*. The tallest living humans are thus Monjane and Nashnush (see left).

The tallest teenage giant still growing is Kazim Hussein (b. 1968) of Baghdad, Iraq, who was 2,26 m *7 ft 5 in* in Feb 1985. He had grown 7,6 cm *3 in* in the previous 12 months.

England

The tallest Englishman ever recorded was William Bradley (1787–1820), born in Market Weighton, Humberside. He stood 7 ft 9 in *236 cm*. John Middleton (1578–1623), the famous Childe of Hale, from near Liverpool, was credited with a height of 9 ft 3 in *282 cm* but a life-size impression of his right hand (length 11½ in *29,2 cm*, *cf.* Wadlow's 12¾ in *32,4 cm*) painted on a panel in Brasenose College, Oxford indicates his true stature was nearer 7 ft 8 in *233,6 cm*. James Toller (1795–1819) of St Neots, Cambridgeshire was alleged to be 8 ft 6 in *259 cm* but was actually 7 ft 6 in *229 cm*. Albert Brough (1871–1919), a publican of Nottingham,

TALLEST GIANTS

The true height of human giants is frequently obscured by exaggeration and commercial dis-he[n]esty. The only admissible evidence on the ...ctual height of giants is that collected this ...ntury under impartial medical supervision. ...fortunately medical papers themselves are ...ultless in including fanciful, as opposed to ...ured, heights.

...sertion that Goliath of Gath (c. 1060 BC) ...cubits and a span (9 ft 6¼ in *290 cm*) a confusion of units or some over-...ggeration by the Hebrew chroniclers. ...h historian Flavius Josephus (born ...ied c. AD 100) and some of the ...f the Septuagint (the earliest Greek ...the Old Testament) attribute to ...olly credible height of 4 Greek ...n (6 ft 10 in *208 cm*).

...al data, taken from bone ...riably refer to specimens of ...ave bear, mastodon, woolly ...rehistoric non-human re-...ses and exhib...

عالم چنّا

دنیا کا طویل القامت انسان نہیں ہے

عقیل عباس جعفری

پاکستان کا محمّد عالم چنا اب تک دنیا کا سب سے طویل القامت انسان سمجھا جاتا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ اس کا قد ۸ فٹ ۳ انچ ہے۔

اور دنیا بھر میں مختلف قسم کے عالمی ریکارڈز شائع کرنے والے سب سے بڑے ادارے "گینز بک آف ریکارڈز" نے بھی ۱۹۸۳ء میں محمّد عالم چنا ہی کو دنیا کا سب سے لمبا انسان تسلیم کیا تھا۔ اور اس کا قد ۸ فٹ ۳،۱ انچ (۲۵۱ سینٹی میٹر) درست مانا تھا۔

مگر ۱۹۸۶ء میں "گینز بک آف ریکارڈز" نے اعلان کیا ہے۔ کہ محمّد عالم چنا کا قد وہ نہیں ہے۔ جو بیان کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کا قد ۸ فٹ ۳ انچ سے ۵،۹ انچ (۱۵ سینٹی میٹر) کم ہے۔ یعنی محمد عالم چنا کا صحیح قد ۷ فٹ ۹،۱ انچ (۲۳۶ سینٹی میٹر) ہے۔

چنانچہ "گینز بک آف ریکارڈز" کے سنہ ۱۹۸۶ء ایڈیشن کے مطابق دنیا کا سب سے لمبا آدمی موزمبیق کا گیبریل استی واؤ مونجینے ہے۔ جس کا قد ۸ فٹ ۴،۳۰ انچ (۲۴۵،۷ سینٹی میٹر) ہے۔ دوسرے نمبر پر دنیا کا سب سے لمبا آدمی لیبیا کا سلیمان علی نشنش ہے۔ جس کا ۸ فٹ ۴،۰ انچ (۲۴۵ سینٹی میٹر) ہے۔

OUTSTANDING BUSINESS PERFORMANCE AWARD
A.P.N.S
GOLD
ORIENT ADVERTISERS
1980-83

THE BIGGEST ADVERTISING AGENCY IN PAKISTAN THINKS IT IS NOT THE SIZE WHICH COUNTS

APNS
In Recognition of the Meritorious Services of Orient Advertisers Ltd. Rendered to the Press
1983-84

APNS award 1980-81 1st Business performance

APNS award 1981-82 1st Business performance

APNS award 1982-83 1st Business performance

APNS award 1983-84 1st Business performance

... PERFORMANCE DOES

Orient Advertisers (Private) Ltd. Fourth Decade of Pakistan Advertising Orientation

Member Pakistan Advertising Association and International Advertising Association

Karachi Tel: 430133-35-436052-432844 Telex: 23997 ORIAD PK • Lahore Tel: 61286-60021
Peshawar Tel: 72697 • Quetta Tel: 70806 • Islamabad Tel: 825909-822874 Telex: 54041 ORIAD PK

حق اسکواڈ

اخلاق احمد

اسکول کی گھنٹی بجتے ہی ہر جانب شور مچ گیا۔ سب سے پہلے چھوٹے چھوٹے بچّے، بستے سنبھالے دوڑتے ہوئے باہر نکلے۔ چیختے، چلاّتے، شور مچاتے۔ ان کے پیچھے ذرا بڑے بچّے تھے۔ انھوں نے بستے کاندھوں پر لٹکا رکھے تھے اور ہنستے، باتیں کرتے آرہے تھے۔

اسکول کے باہر چار پانچ ٹھیلے کھڑے تھے۔ گھر واپس جانے والے بچّوں نے ان ٹھیلوں کو گھیر رکھا تھا۔ سب سے زیادہ رش چھولوں والے ٹھیلے کے گرد تھا۔ برف کا گولہ گنڈہ بیچنے والا بھی بچّوں میں گھرا ہوا تھا۔ بچّے چلاّ چلاّ کر اپنی پسند کی چیزیں خرید رہے تھے۔

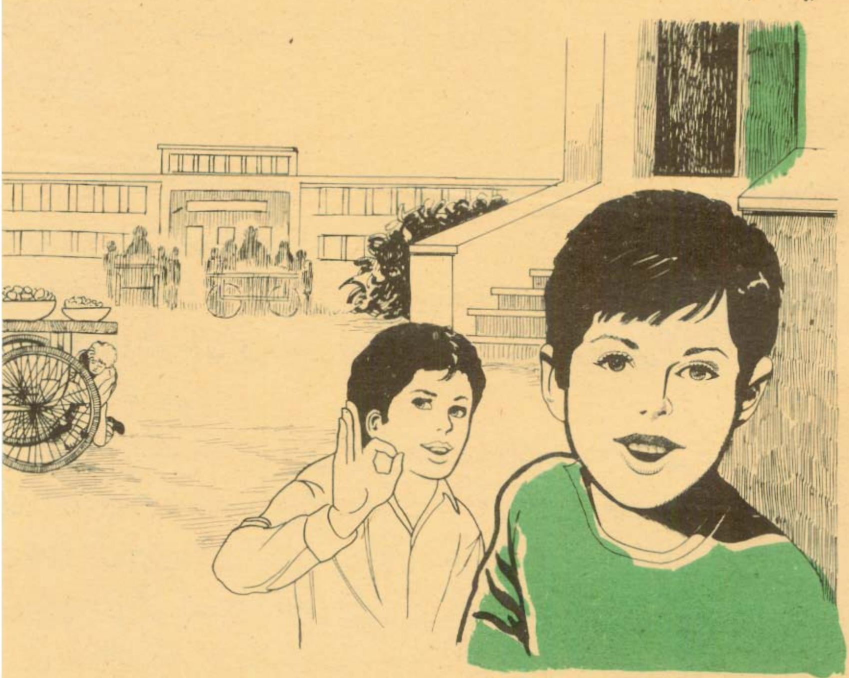

اسی وقت اسکول کے گیٹ سے چار لڑکے ایک ایک کر کے نکلے اور اپنے بستے ایک چبوترے پر رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کی نظریں ٹھیلوں کے گرد جمع ہونے والے بچّوں کے ہجوم پر تھیں۔ یہ چاروں لڑکے نویں جماعت کے طالب علم تھے۔ شہریار، سرفراز، ضیاً اور عدیل۔

"دیکھ رہے ہو" شہریار نے بچّوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں" راحیل نے کہا "ہر روز یہی منظر ہوتا ہے بچّے اسکول سے نکلتے ہی ان چیزوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں"

"سڑے ہوئے چھولے اور کھانسی کا سبب بننے والے برف کے گولے اور الٹی سیدھی کھانے پینے کی چیزیں۔ سب بچّے انہیں کھاتے ہیں" ضیا نے دانت پیس کر کہا۔

"ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا" شہزاد نے ہاتھ لہرا کر کہا "ہمیں اپنے اسکول کو بچانا ہو گا"

ان چاروں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور مسکرائے۔ پھر انھوں نے اپنے اپنے بستے اٹھائے اور چیختے چلّاتے بچّوں کے ہجوم میں سے گزر کر اپنے "ہیڈکوارٹر" کی طرف چل پڑے!

"ہیڈکوارٹر" دراصل پیڑوں اور سرسبز پودوں سے گھری ہوئی اس جگہ کا نام تھا، جہاں یہ چاروں نوجوان اکثر جایا کرتے تھے۔ وہاں ایک چھوٹی سی پہاڑی بھی تھی جس میں ایک کمرے جتنا غار بنا ہوا تھا۔ شہریار، سرفراز، ضیاً اور شہزاد نے اس غار کو صاف کر کے یہاں بیٹھنے کی جگہ بنا لی تھی۔ اسکول سے فارغ ہونے کے بعد وہ یہاں آ کر تھوڑی بہت پڑھائی کیا کرتے تھے۔

ان چاروں کے گھر والوں کو بھی علم تھا کہ یہ لوگ پڑھنے کی غرض سے یہاں آتے ہیں۔ اس لیے گھر والوں نے کبھی اس بات پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ بلکہ ان کی ضرورت کی چھوٹی موٹی چیزیں انھیں فراہم کر دی تھیں۔ لہٰذا اب ان کے ہیڈ کوارٹر کے فرش پر دری بچھی ہوئی تھی جسے وہ "قالین" کہتے تھے۔ ایک چھوٹا ٹرانسسٹر اور ٹیپ ریکارڈر تھا جو سیل سے چلتا تھا۔ اس کے ذریعے وہ خبریں سنتے تھے اور اسکول میں پڑھائے جانے

والے مضامین کے اہم نوٹس ریکارڈ کر کے یاد کیا کرتے تھے۔
وہاں ایک مٹی کے تیل کا چولھا تھا۔ کچھ کپ تھے۔ خشک دُودھ، پتی اور چینی کے ڈبے تھے۔ وہ خود چائے بنا کر پیتے تھے۔

لیکن اس "ہیڈ کوارٹر" کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اسی جگہ یہ چاروں نوجوان تمام منصوبے بناتے تھے۔ ان چاروں نے اپنے اردگرد موجود ہر بُرائی کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کا عزم کر رکھا تھا۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے ایک چھوٹی سی تنظیم بنا رکھی تھی جس کا نام تھا "حق اسکواڈ"!

"حق اسکواڈ" کے چاروں ارکان حق کو، سچائی کو ہر جگہ کامیاب دیکھنا چاہتے تھے اور انھوں نے مختلف شعبوں میں ابھی سے مہارت حاصل کرنی شروع کر دی تھی۔

شہریار جوڈو کی تربیت حاصل کر رہا تھا۔

سرفراز جسم کو توانا اور طاقتور بنانے کے لیے باڈی بلڈنگ کر رہا تھا۔

ضیاء تیز دوڑنے کی تربیت لے رہا تھا۔

شہزاد بجلی اور لوہے کے آلات کھولنے اور جوڑنے میں ماہر ہوتا جا رہا تھا۔

یہ چاروں نوجوان مختلف شعبوں میں آگے بڑھ رہے تھے اور ان کے دلوں میں دنیا سے بدی کو مٹانے اور حق کو کامیاب کرنے کا جذبہ تھا۔

اس روز جب وہ "ہیڈ کوارٹر" پہنچے تو سب سنجیدہ تھے شہریار قریبی ندی سے ایک برتن میں پانی بھر کر لایا۔ سرفراز نے آدھا پانی کیتلی میں بھر کر چولھے پر رکھا۔ ضیاء نے چولھا جلا کر چائے بنائی اور شہزاد نے چائے کپوں میں نکال کر سب کے سامنے رکھ دی۔

"دوستو" شہریار نے کہا "اب ہمیں یہ سوچنا ہے کہ اپنے اسکول کے بچوں کو اس دلدل سے کیسے نکالا جائے ہم چاروں کو معلوم ہے کہ ایسی الم غلم چیزیں کھانے سے صحت خراب ہوتی ہے۔ بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم اسکول کے نوٹس بورڈ پہ ایک اشتہار لگا دیں" ضیاء

نے کہا " اور اس میں لکھ دیں کہ اسکول کے باہر ملنے والے چھولے اور گولے، فالودہ اور چاٹ وغیرہ سب صحت کے لیے خراب ہیں "

" اس سے مسئلہ حل نہیں ہو گا "، سرفراز نے کہا۔

" ہاں " شہزاد نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا " ہمیں ٹھیلے والوں کو وہاں سے ہٹانا ہو گا۔ "

شہریار نے کہا " مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے اسکول کے باہر جتنے ٹھیلے کھڑے ہوتے ہیں، ان کا مالک جگّو ہے۔ تم سب نے جگّو کو یقیناً دیکھا ہو گا۔ وہی بڑی بڑی مونچھوں والا، کالا سا آدمی جو ٹھیلوں کے آس پاس پھرتا رہتا ہے۔ سارے ٹھیلے اسی کے ہیں۔ جو لوگ فالودہ اور چھولے اور گولے بنا کر دیتے ہیں وہ اس کے ملازم ہیں۔ ہمیں ایسا بندوبست کرنا ہو گا کہ وہ ٹھیلے بھی وہاں سے ہٹا لے اور ہم پر کوئی الزام بھی نہ آئے "

" شکل سے تو جگّو بہت خطرناک آدمی لگتا ہے " ضیاء نے گھبرا کر کہا۔

" ہر برُا آدمی بزدل ہوتا ہے " شہر یار نے تیز آواز میں کہا " اور ہم ہر برُے آدمی کے خلاف ہیں " حق اسکواڈ " کا کام برائیوں کا خاتمہ ہے۔ کل ہم جگّو سے بات کریں گے۔ اگر وہ ٹھیلے ہٹانے پر رضامند ہو جاتا ہے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ " حق اسکواڈ " کو کوئی اور راستہ تلاش کرنا پڑے گا۔ کل چھٹّی کے وقت ہم چاروں اس سے بات کریں گے۔ "

" ٹھیک ہے " سرفراز نے پرُجوش لہجے میں کہا۔

" زیادہ جوش میں آنے کی ضرورت نہیں ہے " ضیاء نے کہا " اب ہماری پڑھائی کا وقت شروع ہو گیا ہے۔ "

چاروں نے بستے کھول لیے اور پڑھائی میں مصروف ہو گئے۔

جگّو واقعی شکل سے بہت خطرناک لگتا تھا۔ چھٹی کے بعد وہ چاروں جب اس کے پاس پہنچے تو وہ گلے میں رنگین رومال باندھے ایک ٹھیلے کے پاس کھڑا تھا۔

بچّوں کا ہجوم دیکھ کر اس کے چہرے پر بار بار عجیب سی مسکراہٹ آجاتی تھی۔
"جگّو صاحب" سرفراز نے کہا "ہمیں آپ سے بات کرنی ہے"
جگّو چونک کر مڑا۔ اپنے سامنے چار نوعمر لڑکوں کو دیکھ کر مسکرایا اور بولا
"کیا بات ہے؟"

چاروں نے ایک دوسرے کو دیکھا شہریار نے کہا "جناب! ہم چاہتے ہیں کہ آپ اپنے تمام ٹھیلے ہمارے اسکول کے سامنے سے ہٹا لیں۔ ان پر جو چیزیں فروخت ہوتی ہیں وہ بچّوں کی صحت خراب کرتی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ کل سے یہ ٹھیلے ہمیں یہاں نظر نہ آئیں"

جگّو کے کرخت چہرے پر اچانک غصّہ جھلکنے لگا۔ غصّے سے اس کا چہرہ اور سیاہ ہوگیا۔ اس نے کہا "تم کون ہوتے ہو میرے کاروبار میں دخل دینے والے۔ بھاگ جاؤ یہاں سے۔ ورنہ اتنی ٹھکائی لگاؤں گا کہ چودہ طبق روشن ہو جائیں گے"

شہریار نے خوفزدہ ہوئے بغیر کہا "ہم جو چاہتے تھے۔ وہ ہم نے تمھیں بتا دیا ہے جگّو۔ اگر کل تک یہ ٹھیلے یہاں سے نہیں ہٹے تو پھر ہمیں کچھ اور سوچنا پڑے گا۔"

جگّو نے شہریار کی کلائی پکڑ لی "میں پوچھتا ہوں، تم ہو کون؟" اس نے گرج کر کہا۔

ہر شام ایک گھنٹے تک جوڈو کی تربیت حاصل کرنے والے شہریار کو معلوم تھا کہ اگر کوئی کلائی پکڑ لے تو اسے چھڑایا کس طرح جاتا ہے۔ اس نے کلائی کو جُھکایا، سانس روکی اور ایک جھٹکا دے کر کلائی چھڑا لی۔

جگّو کا منہ حیرت سے کُھلا کا کُھلا رہ گیا اسے امید نہیں تھی کہ لڑکے میں اتنی قوّت ہوگی۔

"ہم چوبیس گھنٹے تک انتظار کریں گے جگّو ضیاء نے کہا "اس کے بعد نتائج کی ذمّہ داری تم پر ہوگی"

"بھاگ جاؤ" جگّو نے غرّا کر کہا "دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔ ورنہ میں تم میں سے کسی کی ہڈیاں توڑ بیٹھوں گا"

وہ چاروں کچھ دیر کھڑے اسے دیکھتے رہے۔ پھر وہ مڑے اور واپس چل پڑے۔ جگّو اُنھیں دیر تک گھورتا رہا۔

اگلے روز ٹھیلے اپنی جگہ موجود تھے۔

جگّو ٹھیلوں کے اردگرد ٹہل رہا تھا۔ چھٹّی ہوتے ہی بچّے نکلے اور ٹھیلوں کے اردگرد جمع ہو گئے۔ ہر روز کی طرح وہ چلّا رہے تھے، لڑ رہے تھے۔ چھولے خرید رہے تھے۔ گولے خرید رہے تھے۔ اِتنا ہجوم تھا کہ کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔ آدھے گھنٹے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر بچّے گھروں کو روانہ ہونے لگے۔ کچھ دیر بعد وہاں صرف ٹھیلے والے رہ گئے تھے یا پھر جگّو۔

"چلو بھئی" جگّو نے اپنی مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے کہا "ٹھیلے واپس اڈّے کی طرف لے چلو"

سنگِ میل

اسی وقت چھولے والے نے جُھک کر اپنے ٹھیلے کے ٹائر دیکھے اور چلّا کر کہا
"جگّو استاد میرے ٹھیلے کے چاروں پہیّوں کی ہوا نکل گئی ہے "
گولہ گنڈہ بیچنے والے کی آواز آئی "استاد میرے چاروں ٹائروں میں
بھی ہوا نہیں ہے "
فالودہ والے نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا "ہوا تو کسی نے میرے ٹائروں میں
سے بھی نکال دی ہے "
پکوڑوں والے نے سب سے آخر میں کہا "اپن کے ساتھ بھی یہی ہو گیا ہے
جگّو استاد "
جگّو غصّے سے کانپ رہا تھا ۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ ہوا کس نے نکالی ہے ۔ اسے
وہ چاروں لڑکے یاد آ گئے تھے ۔
" ٹھیک ہے " اس نے دانت پیس کر کہا "دیکھ لوں گا ۔ کل انھیں
ٹھیک کر دوں گا !!"

لیکن اگلے روز جگّو استاد کو ایک اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا ۔
وہ جب ٹھیلے والوں کو لے کر چھُٹّی ہونے سے ایک گھنٹہ پہلے اسکول پہنچا تو
گیٹ کے پاس ہر جگہ کیچڑ ہی کیچڑ تھا ۔ جس جگہ ٹھیلے کھڑے ہوتے تھے، وہاں قریب
ہی ایک نلکا تھا اور کسی نے وہ نلکا کھول دیا تھا ۔ ایک گھنٹے تک پانی بہتا رہا تھا
اور اب وہاں ہر طرف کیچڑ ہو چکا تھا ۔
جب چھُٹّی ہوئی اور بچّے باہر نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ ٹھیلے بہت دور کھڑے
ہیں ۔ جو چھوٹے بچّے تانگوں یا گاڑیوں سے گھر جاتے تھے انھیں گیٹ سے زیادہ دُور
جانے کی اجازت نہیں تھی ۔ اس لیے اس روز وہ بچّے دور کھڑے ٹھیلوں تک نہیں
جا سکے ۔
جگّو کے ٹھیلوں پر آنے والے ننھے گاہکوں کی تعداد میں کمی ہو گئی تھی ۔ جگّو ایک
طرف کھڑا غصّے سے بھنّا رہا تھا ۔

اچانک اُس نے ان چاروں لڑکوں کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ اطمینان سے باتیں کرتے چلے آ رہے تھے۔ جگّو انھیں قریب آتا دیکھتا رہا۔

"کمال ہو گیا ہے بھئی" شہریار کہہ رہا تھا "پتہ نہیں کس نے نلکا کھُلا چھوڑ دیا"

"ہاں" سرفراز نے کہا "ہر طرف کیچڑ ہو گیا ہے"

"اب یہ کیچڑ دو دن تک نہیں سُوکھے گا" ضیاء نے کہا۔

شہزاد نے کہا "دُعا کرو کہ اب دوبارہ کوئی نلکا کھُلا نہ چھوڑے ورنہ دو دن بعد پھر کسی نے نلکا کھُلا چھوڑ دیا تو پھر کیچڑ ہو جائے گا"

"اے!" جگّو نے چلّا کر کہا "تم لوگ زیادہ اداکاری نہ کرو۔ میں جانتا ہوں یہ سب تمھاری شرارت ہے تم لوگوں نے ہی کل ٹائروں میں سے ہوا نکالی تھی؟"

"ٹائروں میں سے؟" شہزاد نے حیرت سے پوچھا۔

"ہوا نکالی تھی؟" ضیاء نے آنکھیں پھیلا کر کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو جگّو" شہریار نے کہا "کیسے ٹائر؟ کون سی ہوا؟"

"کل تو ہم تمھارے ٹھیلوں کی طرف آئے ہی نہیں تھے" راحیل نے کہا۔

"دیکھو لڑکو" جگّو نے کہا "تم جانتے نہیں کہ میں کتنا خطرناک آدمی ہوں یہ شرارت تم لوگوں کو بہت مہنگی پڑے گی۔"

"کوئی بات نہیں" شہزاد نے کہا "آج کل ویسے بھی ہر چیز مہنگی ہوتی جا رہی ہے"

"ہاں" ضیاء نے کہا "کل ابو کہہ رہے تھے کہ گوشت تیس روپے کلو ہو گیا ہے"

"بند کرو یہ پٹر پٹر بولنا" جگّو نے چیخ کر کہا "آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو؟ کیوں میرے کاروبار کے پیچھے پڑے ہوئے ہو؟"

شہریار نے کہا "ہم بتا چکے ہیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں "
جگّو نے اچانک لہجہ بدل کر خوشامد کے انداز میں کہا "دیکھو میں تم سے معاہدہ کرنے کو تیار ہوں تم میرے کاروبار میں دخل نہ دو اور میں تمھیں ہر روز مفت چھولے کھلایا کروں گا "

"یہ سڑے ہوئے چھولے ؟" سرفراز نے منہ بنا کر کہا۔

"میں تمھارے لیے تم چاروں کے لیے تازہ چھولے لایا کروں گا ٹھیک ہے ؟"

"صرف چھولے ؟" ضیاؔ نے سر کھُجا کر کہا۔

"چلو فالودے کا ایک ایک گلاس بھی ہر روز " جگّو عیّاری سے مسکرایا۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ لڑکے اس کے جال میں پھنستے جا رہے ہیں۔

"پکوڑے نہیں کھلاؤ گے ؟" شہزاد نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں ہاں وہ بھی " جگّو بولا "تم لوگ جو چاہو، کھا سکتے ہو لیکن یہ شرارتیں بند ہو جانی چاہئیں "

"ایک آخری شرط اور ہے " شہریار نے کہا۔

"وہ کیا ؟"

"تمھیں کل ہمارے ہیڈکوارٹر آنا ہو گا "

"ہیڈکوارٹر ؟" جگّو حیرت سے بولا " وہ کہاں ہے ؟ اور کیوں ؟"

"جگہ ہم تمھیں بتا دیں گے وہاں تم سے معاہدے کی شرائط طے کریں گے اس کے بعد تم اطمینان سے اپنا کاروبار جاری رکھنا۔ سڑے ہوئے چھولے بچّوں کو کھلاتے رہنا۔ انھیں بیمار کرتے رہنا۔ معاہدے کے بعد ہم کوئی شرارت نہیں کریں گے ٹھیک ہے ؟"

جگّو کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا "ٹھیک ہے "
شہزاد نے جگّو کو اپنے ہیڈکوارٹر کا پتہ سمجھایا۔ پھر وہ اس سے ہاتھ ملا کر، اگلے روز ملاقات کا وعدہ لے کر رخصت ہو گئے۔

اگلے روز جگّو جب ان کے ہیڈکوارٹر میں داخل ہوا تو چاروں تمام تیاری مکمل کر چکے تھے۔ شہزاد نے ٹیپ ریکارڈر کو ایک چادر میں لپیٹ کر دری کے درمیان میں رکھّا ہوا تھا۔ جیسے ہی جگّو اندر داخل ہوا، شہزاد نے ٹیپ ریکارڈر چلا دیا۔ اب ہر بات ریکارڈ ہو سکتی تھی۔

"آؤ جگّو" ضیاؑ نے کہا "بیٹھو"

وہ پانچوں چادر میں لپٹے ہوئے ٹیپ ریکارڈر کے گرد بیٹھ گئے۔

"دیکھو جگّو" شہریار نے کہا "ہمارے اور تمھارے درمیان جو معاہدہ ہونے والا ہے اس سے قبل میں تم سے کچھ سوالات پوچھوں گا۔ اس کے بعد ہم باقاعدہ معاہدہ کر لیں گے"

جگّو نے سر ہلایا۔ ویسے اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اس سے سوالات کرنے کی کیا وجہ ہے۔ بہرحال، وہ تو اپنا کاروبار چلانا چاہتا تھا۔

"تمھارا نام جگّو ہے اور تم ہمارے اسکول کے باہر کھڑے ہونے والے ٹھیلوں کے مالک ہو؟"

"ہاں" جگّو نے فخریہ انداز میں کہا "سارے ٹھیلوں کا مالک میں ہی ہوں"

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ تمھارے چھولے تازہ ہوتے ہیں یا نہیں؟" شہریار نے پوچھا۔

جگّو نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا "دیکھو جی میں ہفتے کے دن بہت سے چھولے بنا لیتا ہوں۔ اِس کے بعد وہی چھولے سارے ہفتے فروخت ہوتے رہتے ہیں بس ایک دن وہ تازہ ہوتے ہیں۔ باقی پانچ دن باسی چھولے بیچے جاتے ہیں"

"اچھا" شہریار نے کہا "پکوڑے صفائی سے بنائے جاتے ہیں یا نہیں؟"

"صفائی سے؟" جگّو ہنسا "صفائی کیوں رکھوں میں؟ بیوقوف بچّے تو ہر طرح کی چیز خرید لیتے ہیں"

"اچھا۔ یہ بتاؤ تم جو چیزیں فروخت کرتے ہو، وہ صحت کے لیے کیسی

ہوتی ہیں ؟"

"نقصان دہ ہوتی ہیں جی " جگّو بے ہنگم انداز میں ہنسا۔

"تم یہ جانتے ہو، پھر بھی ایسی چیزیں فروخت کرتے ہو " شہریار نے کہا۔

"میں تو بس پیسہ بنانا چاہتا ہوں۔ امیر ہونا چاہتا ہوں۔ مجھے اس سے کیا غرض کہ کوئی میری بنائی ہوئی چیزوں سے بیمار ہوتا ہے یا نہیں "

"کیا تم اپنے بچّے کو بھی یہی چھولے، یہی پکوڑے کھلاتے ہو ؟"

"توبہ کرو جی " جگّو نے اچھل کر کہا " میرا بچّہ ایسی چیزیں نہیں کھاتا۔ میں اسے ایسی کوئی چیز نہیں کھانے دیتا۔۔۔۔۔ لیکن تم ایسے سوال کیوں کر رہے ہو۔ تمھیں تو مجھ سے معاہدہ کرنا تھا۔۔۔۔"

"معاہدہ بھی کرتے ہیں جگّو " سرفراز نے چادر میں لپٹا ہوا ٹیپ ریکارڈر اٹھاتے ہوئے کہا " ابھی کرتے ہیں تم سے معاہدہ "

"مجھے تم لوگوں کی باتوں سے چالاکی کی بُو آ رہی ہے " جگّو نے مشتبہ لہجے میں کہا۔

سرفراز نے چادر کھول کر ٹیپ ریکارڈر نکالا اور اس میں سے وہ کیسٹ نکال لیا جس میں ان کی اور جگّو کی ساری گفتگو ریکارڈ ہو چکی تھی۔

"یہ یہ کیا ہے ؟" جگّو اچانک کھڑا ہو گیا۔

شہزاد نے کہا "یہ وہ کیسٹ ہے جگّو جس میں تمھاری زبانی تمھارے جُرم کا اقرار موجود ہے تم نے جو کچھ کہا ہے وہ ریکارڈ ہو چکا ہے اب ہم یہ کیسٹ علاقے کے تھانے میں لے جائیں گے۔ تھانیدار یہ سب گفتگو سن کر یقیناً تمھاری گرفتاری کا حکم دے دے گا "

جگّو نے اچانک چھلانگ لگائی اور سرفراز پر جا گرا۔ لیکن اس سے پہلے ہی سرفراز وہ کیسٹ شہریار کی طرف اچھال چکا تھا۔ شہریار نے کیسٹ کو کیچ کیا۔ جگّو پلٹ کر اس کی طرف آیا لیکن اب کیسٹ شہزاد کے پاس پہنچ چکا تھا۔ جگّو ہانپ رہا تھا۔ کیسٹ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں پہنچ رہا تھا۔ جگّو پورے کمرے میں کیسٹ

کے پیچھے ناچتا پھر رہا تھا۔
بالآخر کیسٹ ضیائ کے پاس آیا۔ ضیائ دوڑنے میں اور پھرتی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس نے کیسٹ تھامتے ہی چھلانگ لگائی اور غوطہ لگا کر جگّو کی دونوں ٹانگوں کے بیچ میں سے گزر کر تیر کی طرح باہر نکل گیا۔
"تمھارے جرُم کا اقرار اُس کیسٹ میں تھا جگّو" شہریار نے کہا " اور وہ کیسٹ اب باہر جا چکا ہے۔ جس کے پاس وہ کیسٹ ہے، اسے تم چاہو بھی تو نہیں پکڑ سکتے کیونکہ وہ راکٹ کی طرح دوڑتا ہے"
جگّو بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پسینہ تھا۔
"ہم ابھی وہ کیسٹ تھانیدار کو نہیں دیں گے جگّو" راحیل نے کہا "لیکن اگر آئندہ ہم نے تمھارا کوئی ٹھیلا اپنے اسکول کے پاس دیکھا تو پھر تم گرفتاری سے نہیں بچ سکو گے۔ سمجھ گئے؟"
جگّو نے آہستہ سے سر ہلایا کچھ دیر بعد جب وہ "حق اسکواڈ" کے ہیڈکوارٹر سے باہر نکلا تو اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ تھی اور آنکھوں میں ندامت۔

اگلے روز اسکول کے باہر کوئی ٹھیلہ نہیں تھا۔ کچھ بچّے حیران ہوئے۔ کچھ پریشان ہوئے۔ اسی روز "حق اسکواڈ" کے چاروں ارکان نے اپنے ہیڈ ماسٹر صاحب کو پورے معاملے سے آگاہ کیا۔ وہ بہت خوش ہوتے اور انھوں نے چاروں لڑکوں کو شاباشی دی۔ ساتھ ہی انھوں نے اسکول کے اندر ایک اچھی سی کینٹین کھلوانے کا وعدہ بھی کیا۔
تین دن بعد کینٹین کھل گئی۔ لیکن چھولے نہیں تھے۔ پکوڑے نہیں تھے۔ یہاں تازہ پھل تھے۔ کیلے اور کینو اور مالٹے۔ تازہ بسکٹ تھے۔ تازہ کیک اور پیسٹریاں تھیں۔ بچّوں کا ہجوم یہاں بھی جمع ہونے لگا۔
جس دن کینٹین کا افتتاح ہوا، اُسی دن "حق اسکواڈ" کا اجلاس ہیڈکوارٹر میں ہوا۔
"میں تمام ارکان کو مبارک باد دیتا ہوں" شہریار نے چائے کے کپ سب کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

شہزاد نے کہا "سب سے زیادہ مبارک باد مجھے دو۔ کیونکہ ٹیپ ریکارڈر میں نے ہی سیٹ کیا تھا"

"کمال ہے" سرفراز نے کہا "بھائی ٹائروں میں سے ہوا تو میں نے نکالی تھی۔ پہلا حملہ میں نے ہی کیا تھا۔ مبارک باد تو مجھے دو"

"کیسٹ لے کر ڈھائی ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے تو میں بھاگا تھا" ضیائ نے کہا "سب سے زیادہ مبارک باد کا مستحق تو میں ہوں"

شہریار نے کہا "نہیں مبارک باد کا مستحق "حق اسکواڈ" ہے جو بُرائی کے خاتمے کے لیے کام کر رہا ہے۔ ہماری اور تمھاری کوئی اہمیت نہیں۔ اصل اہمیت سچ کی ہے۔ اچھائی کی ہے۔ حق کی ہے!!"

"حق اسکواڈ" ضیائ نے چلّا کر نعرہ لگایا۔

"زندہ باد" سب نے پوری قوت سے نعرے کا جواب دیا۔

حق اسکواڈ کے ارکان نے ... کچھ ہی دنوں بعد ایک اہم کارنامہ سرانجام دیا۔
... آپ کو پتہ ہے کیا کیا انہوں نے؟
یہ کارنامہ "آنکھ مچولی" کے آئندہ شمارے میں پڑھنا نہ بھولیے گا۔

چیخنے کا عالمی مقابلہ

۱۷ فروری ۱۹۷۳ء کو سکاربوگ (یارک شائر) میں چیخنے کا عالمی مقابلہ منعقد ہوا۔ اس غرض کے لئے جو آواز منتخب کی گئی تھی وہ یہ تھی:

سو۔ او او۔ ای ای ای ای

پہلا انعام سیکر کینی لیڈر نے اور دوسرا انعام مس مارگریٹ فادراسٹون نے حاصل کیا۔ دونوں کی آواز مقررہ پیمانے کے مطابق بالترتیب ۱۱۱ ڈیسی بل اور ۱۰۶٫۲۶ ڈیسی بل تھی۔

گیت

تِتلی پیاری تِتلی
جب اپنے گھر سے نِکلی
ناچے پھُول اور پتّے
رنگوں نے کھیلی کِکلی
تِتلی — پیاری تِتلی

رنگوں کی بارات چلتی ہے اس کے ساتھ
باغوں میں پھرتی ہے ہاتھوں میں ڈالے ہاتھ
تِتلی پیاری تِتلی ہو تِتلی پیاری تِتلی

پھُول پھُول منڈلائے کِس کی کھوج میں آئے
ہیں رنگ تمھارے کِتنے گِنا نہ ہم سے جائے
تِتلی پیاری تِتلی ہو تِتلی پیاری تِتلی

امجد اسلام امجد

آخری قدم

ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم
سابق صدر بھارت

آؤ، آج تمہیں ایک بہت اچھے آدمی کا حال سنائیں جسے اس کے جیتے جی بہتیرے لوگ بُرا بُرا کہتے تھے اور مرنے کے بعد بھی اس کی نیکی کا حال بس وہی جانتے ہیں جن کے ساتھ اس نے بھلائی کی تھی۔ اور شاید بعض ـــ تو ان میں سے بھی بھول گئے ہوں گے۔

اس نیک آدمی کے پاس بڑی دولت تھی۔ مگر یہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنے دھن دولت کو اپنا نہیں سمجھتے بلکہ اللہ میاں کی امانت جانتے ہیں۔ جو بس اس لئے ان کے سپرد کی جاتی ہے کہ اسے اس کے بندوں پر صرف کریں۔ خود ان کی اُجرت یہ ہے کہ اس میں سے یہ بھی بس موٹا جھوٹا پہن لیں اور دال دلیا کھا کر گزر کر لیں۔

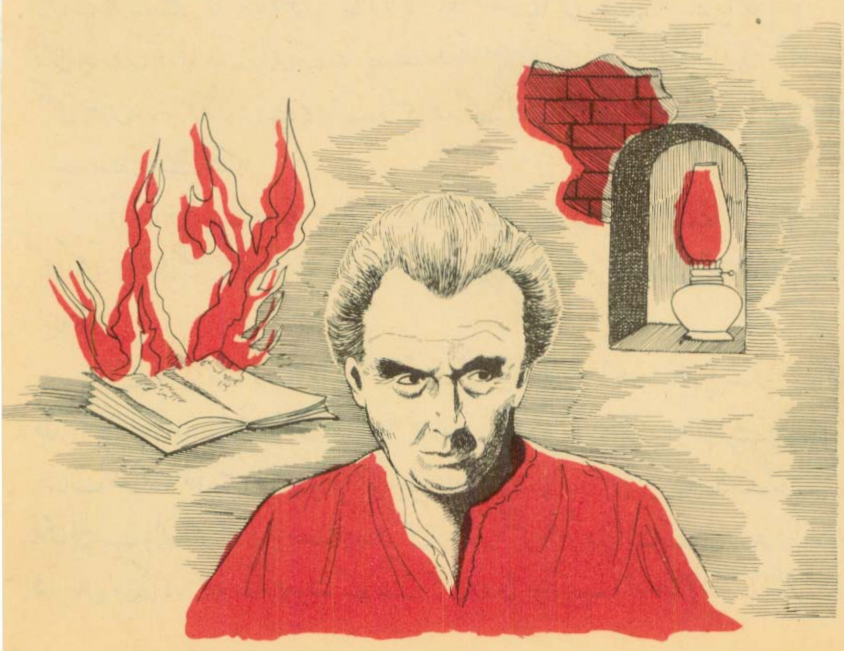

ہاں، تو یہ نیک آدمی بھی اپنی دولت سے خود بہت کم فائدہ اٹھاتا تھا۔ ایک صاف سے، مگر بہت چھوٹے مکان میں رہتا تھا۔ گزی گاڑھے کے بہت معمولی کپڑے پہنتا تھا۔ اور کھانے کا کیا بتاؤں کبھی چنے چاب لئے، کبھی مکاّ کی کھیلیں کھالیں۔ ایک وقت ہنڈیا چڑھی تو تین وقت کے کھانے کا انتظام ہوگیا۔ دوست احباب جنہیں اس کے حال کی خبر تھی طرح طرح اسے کھیل تماشوں میں، رنگ رلیوں میں، گھسیٹنا چاہتے تھے۔ مگر یہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ بہانا کرکے ٹال دیتا تھا۔ آخر کو سب میں بڑا کنجوس مشہور ہوگیا۔ اس کے دوست، اُسے "میاں مکھی چوس" کہا کرتے تھے۔ بعض دوست اس کی دولت کی وجہ سے جلتے بھی تھے۔ وہ اسے اور بھی چھیڑتے اور بدنام کرتے تھے۔ مگر یہ دُھن کا پکاّ تھا۔ برابر چھپ چھپ کر چپ چپاتے اپنی دولت سے کسی نہ کسی مستحق کی مدد کرتا ہی رہتا تھا اور اس طرح کہ سیدھے ہاتھ سے دیتا تو اُلٹے کو خبر نہ ہوتی اور زبان پر ذکر آنے کا تو ذکر ہی کیا۔

نہ جانے کتنی بیوائیں اس کے روپے سے پلتی تھیں! کتنے یتیم اس کی مدد سے پڑھ پڑھ کر اچھے اچھےّ کاموں سے لگ گئے تھے۔ کتنے مدرسے اس کی سخاوت سے چل رہے تھے۔ کتنے قومی کام کرنے والوں کو اس نے روٹی کپڑے سے بے فکر کردیا تھا اور وہ یک سوئی سے اپنی اپنی دُھن میں لگے ہوئے تھے۔ کئی شفاخانوں میں دوا کا سارا خرچ اس نے اپنے سر لے لیا تھا اور ہزاروں دُکھی بیماروں کو بغیر جانے اس کے روپے سے روز آرام پہنچتا تھا۔ لیکن یہ مشہور تھا وہی "کنجوس، مکھیّ چوُس، دنیا کا کتاّ، نہ اپنے کام آئے نہ کسی اور کے"۔ کوئی اس پر ہنستا تھا، کوئی خفا ہوتا تھا۔ سب اسے بُرا سمجھتے تھے!

آدمی کتنا ہی نیک ہو، دوسروں کے ہر دم بُرا کہنے سے، جی دُکھتا ہی ہے۔ اس کے دل کو بھی کبھی کبھی بڑی ٹھیس لگتی تھی۔ جھنجلاتا تھا۔ آنکھوں میں آنسو بھر بھر آتے تھے۔ مگر پھر صبر کر لیتا تھا۔

اس کے پاس ایک خوُب صورت سی کتاب تھی۔ چکنا چکنا موٹا کاغذ۔ نیلے کپڑے کی سُبک سی جلد۔ پُشتے پر سنہرے حرفوں میں لکھا ہوا "حساب امانت" اس کتاب میں یہ اپنا پیسے پیسے کا حساب لکھا کرتا تھا۔ جس کو کبھی کچھ دیا تھا سب اس میں درج تھا۔ کہیں کہیں کیفیت کے خانے میں بڑی دلچسپ باتیں لکھی تھیں۔ یہ سب بعد کو لکھی گئی تھیں۔ کسی یتیم کو پڑھنے کے لئے وظیفہ دیا ہے۔ ۱۵ سال بعد کی تاریخ دے کر کیفیت کے خانے میں درج ہے "اب احمد آباد میں ڈاکٹر ہیں

اور وہاں کے یتیم خانے کے ناظم کو کتابوں کے ایک کاروبار کو سخت پریشانی کے زمانے میں دو ہزار روپے دیئے ہیں۔ کئی سال بعد کیفیت کے خانے میں لکھا ہے۔ "آج خط آیا ہے کہ انہوں نے رسول اکرمؐ کی سیرتِ پاک نہایت صاف اور سادہ زبان میں لکھوا کر ایک لاکھ نسخے طلبا میں مفت تقسیم کئے ہیں۔ خدا جزائے خیر دے"۔ دلی کے ایک مدرسے کو ایسے وقت کہ اس کا کوئی مددگار نہ تھا۔ دس ہزار روپے دیئے تھے۔ اندراج رقم کے سامنے کیفیت میں لکھا تھا ——————————— سالانہ رپورٹ پڑھی۔ ہر صوبے میں اس کی ایک ایک شاخ قائم ہوگئی ہے۔ اس صوبے میں تو گاؤں گاؤں میں تعلیمی مراکز قائم کر دیئے ہیں۔ یہ کام نہ ہوتا تو اس ملک میں مسلمانوں کی تمدنی ہستی کبھی کی ختم ہو چکی تھی"۔ اسی قسم کے بے شمار اندراجات تھے۔

اس کتاب کو یہ اکثر اٹھا کر پڑھنے لگتا تھا۔ خصوصاً جب کسی نادان دوست کی زبان سے دل دکھتا ——— اس کتاب کی ورق گردانی کی جاتی تھی۔ اسے دیکھ کر کبھی کبھی مسکرا بھی تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ مرتے وقت یہ کتاب ان لوگوں کے لئے چھوڑ جاؤں گا۔ جو عمر بھر مجھے پہچانے بغیر میرا دل کھاتے رہے۔ اس ارادے سے اسے بڑی تسکین ہوتی تھی۔ سو سنار کی ایک لوہار کی۔ انہوں نے ہزار دفعہ میرا جی خون کیا ہے۔ میں ایک دفعہ انہیں ایسا شرماؤں گا کہ بس سر نہ اٹھے گا۔ یہ سوچتا تھا اور خوش ہوتا تھا۔ ہوتے ہوتے بڑھاپا آن پہنچا۔ بدن جواب دینے لگا۔ روز کوئی نہ کوئی بیماری کھڑی ہے۔ ایک دفعہ دسمبر کا مہینہ تھا۔ سخت بیمار ہوا۔ بخار اور کھانسی ایک دن۔ دو دن۔ تیسرے دن سینے میں سخت درد شروع ہوا۔ کوئی دوپہر غفلت رہی۔ ہوش آیا تو سانس لینے میں بھی تکلیف ہوتی تھی۔ نمونیا کا حملہ تھا اور سخت حملہ۔ شام سے حالت غیر ہونے لگی۔ بار بار غفلت ہو جاتی۔ تھوڑی دیر کو ہوش آتا، پھر غفلت۔ کوئی چار بجے کے قریب ہوش آیا تو اس کی سمجھ میں آگیا کہ اب وہ وقت آن پہنچا ہے جو سب کے لئے آتا ہے اور جس سے کوئی بھاگ کر بچ نہیں سکتا۔ چارپائی کے پاس ہی میز پر وہ نیلی خوب صورت کتاب "حساب امانت" رکھی تھی جسے ابھی بیماری میں بھی دو دن پہلے اٹھا کر پڑھا تھا۔ چند لمحے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ایسے کہ تھمتے ہی نہ تھے۔ کتاب کی طرف ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھانا چاہا۔ کئی مرتبہ میں بہ مشکل سے اٹھا پایا۔ پھر کچھ سوچ میں پڑ گیا یہ عظیم الشان گھڑی اور یہ چھوٹا خیال...... ان کو شرما کر تجھے کیا ملے گا...... تو اپنا کام کر چلا...... اپنے کام سے کام...... منزل آ پہنچی...... آخری قدم کیوں ڈگمگائے؟...... " دونوں

ہاتھوں میں کتاب تھامی۔ ہاتھ تھرتھرا رہے تھے۔ جیسے کوئی بہت بڑا بوجھ اٹھا یا ہو۔ بڑی مشکل سے تکئے پر سے سر بھی کچھ اُٹھایا اور ناتواں جسم کی ساری آخری قوت صرف کر کے کتاب کو اُس پاس والی بڑی انگیٹھی میں پھینک دیا۔ جس میں کوئی ڈھائی بجے نوکر نے بہت سے کوئلے ڈالے تھے اور میاں کو سوتا جان کر دوسرے کمرے میں سو گیا تھا۔

کتاب جلنے لگی۔ اس کی نظر اسی پر جمی تھی۔ جلد کے جلنے میں دیر لگی۔ پھر اندر کے کاغذوں میں آگ لگی تو ایک شعلہ اٹھا اس کی روشنی میں اس کے ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ دکھائی دی اور چہرے پر ایک عجیب اطمینان۔ اُدھر مؤذن نے اشھدانّ محمدُ الرّسول اللہ کہا۔ اور نیکیوں کے اس کارواں سالار کی رسالت کے اعلان کے ساتھ ساتھ اس کی اُمّت کے اس نیک راہ رو نے ہمیشہ کے لئے آنکھیں مونڈلیں۔

اَقوالِ زرّیں

آنسوؤں کو بہنے دو کہ یہ آنکھوں کی عبادت ہے ویسے بھی برسات کے موسم کے بعد دیکھا ہے۔ فضا کیسی نکھر آتی ہے۔

محبّت کی پاکیزگی کو بدگمانی سے داغدار مت کرو کہ اس جرم کی خلش تمام عمر خون کے آنسو رلائے گی اور تسکین کی صورت نہ ہوگی۔

پہاڑ سے گرے ہوئے انسان پھر بھی اٹھ جاتے ہیں مگر دل ونظر سے گر جائیں تو کبھی نہیں اٹھ سکتے۔

کوئی کسی کے لئے کچھ نہیں کرتا جب تک انسان خود جد وجہد نہ کرے عقل مند اور سمجھ دار انسان وہ ہے جس کا آج اس کی گزشتہ کل سے بہتر ہے

اطہر احمد شاہ تاج شوگر ملز لمیٹڈ، منڈی بہاؤالدین

فرض شناسی

غازی مختار

سلطان کوٹ مین ریلوے لائن پر ایک چھوٹا سا پہاڑی قصبہ تھا۔ یہیں ریلوے لائن کے قریب صابر اپنے تین بہن بھائیوں کے ساتھ ایک چھوٹے سے خوبصورت گھر میں اپنی امّی ابّو کے ساتھ رہتا تھا۔

صابر کے علاوہ باقی بہن بھائی ماشاءاللہ خاصے گورے چٹّے اور مضبوط ڈیل ڈول کے بچّے تھے۔ صابر اپنے بہن بھائیوں کے مقابلے میں ہلکا پھلکا اور سانولا ہونے کے باوجود بڑا زندہ دل اور تیز طرار بچّہ تھا مگر ۱۰ سال کی عمر میں صابر چیچک کے موذی مرض کی لپیٹ میں آگیا۔

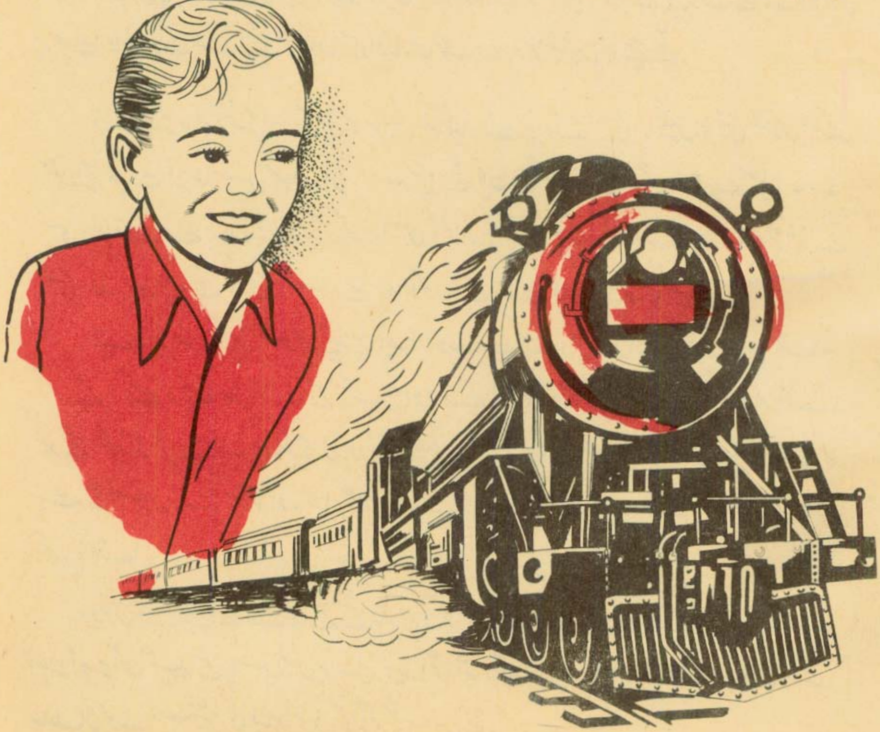

طویل عرصے کی بیماری کے بعد جب صابر بستر سے اٹھا تو اور بھی کمزور ہو چکا تھا۔ اور سانولے چہرے پر چیچک کے بدنما داغوں کے احساس نے تو صابر کو بالکل ہی بجھا دیا۔ اُس نے خود کو دوسروں کے مقابلے میں بدصورت۔ کمزور اور ناکارہ سمجھنا شروع کر دیا۔

وہ دوسرے بچوں سے دور دور رہنے لگا۔ نہ کسی کھیل میں حصہ لیتا۔ نہ کسی فنکشن میں شریک ہوتا۔ اسکول سے آنے کے بعد اکثر اپنے کمرے میں بند رہتا یا گھر سے کچھ دور ایک پہاڑی ٹیلے پر بیٹھا آتی جاتی ریل گاڑیوں کو گھنٹوں دیکھتا رہتا۔

صابر کے استاد اور والدین اِس کی طرف سے بہت پریشان رہتے۔ اور ہر ہر طرح سے اُسے سمجھاتے وہ اُس پر زور دیتے کہ وہ کھیل کود میں حصہ لیا کرے۔ اسکول کے ساتھیوں کے ساتھ سیر و تفریح کے لئے جایا کرے۔ مگر صابر ہمیشہ منہ لبسور کر رہ جاتا۔

بس لے دے کے اس کا ایک ہی شغل تھا۔ اور وہ یہ کہ ٹیلے کے گرد مشرق سے جنوب کی طرف گھومتی لوہے کی پٹری پر دوڑتی ریل گاڑیاں دیکھا کرتا۔ اور اب تو صبح سویرے سے رات گئے تک اس لائن پر چلنے والی دونوں طرف کی گاڑیوں کے اوقات تک اسے ذہن نشین ہو چکے تھے۔

آہستہ آہستہ صابر احساس کمتری کا مریض بنتا گیا۔ اُسے ہر وقت اپنی ٹانگیں کانپتی محسوس ہوتیں تھوڑا تیز چلتا تو سانس پھول جاتی۔ سر چکرانے لگتا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرے پھیل جاتے کسی ناواقف سے بات نہ کرتا۔ اگر کوئی اجنبی اُس سے کچھ پوچھتا تو جواب میں زبان لڑکھڑانے لگتی اور پسینے چھوٹ جاتے۔ اِس لئے وہ لوگوں کے سامنے جانے سے بھی گھبراتا۔

ایک روز صابر اپنے مخصوص ٹیلے پر بیٹھا جنوب سے آنے والی مال گاڑی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے دیکھتے دیکھتے مال گاڑی کے آخری دو ڈبے اور گارڈ کا کیبن ٹرین سے کھُل کر الگ ہو گئے۔ گاڑی فراٹے بھرتی پٹری پر دوڑی چلی جا رہی تھی۔ ڈرائیور کو ڈبوں کے کھُل جانے کا پتہ ہی نہیں چلا ہوگا اور شاید گارڈ بھی اپنے کیبن کے بجائے ڈرائیور کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔

دونوں ڈبے ریل سے کٹ جانے کے باوجود کچھ دور تک ریل کے پیچھے دوڑتے رہے اور پھر آہستہ آہستہ اُس ٹیلے کے پاس جس پر صابر بیٹھا تماشہ دیکھ رہا تھا اور جہاں سے ریلوے لائن سلطان کوٹ اسٹیشن کی طرف مڑتی تھی آکر ٹھہر گئے۔

صابر بڑی دیر تک ٹیلے پر بیٹھا انتظار کرتا رہا کہ شاید ریل گاڑی والوں کو ڈبوں کے علیحدہ ہو جانے کا احساس ہو جائے اور وہ واپس آکر ان ڈبوں کو لے جائیں۔

مگر جب بہت دیر ہو گئی اور کوئی ڈبوں کے لئے نہ آیا تو صابر بڑا فکر مند ہوا۔ اُسے یاد آیا کہ جلد ہی یہاں سے ایکسپریس گزرنے والی ہے۔

اُس نے سوچا مال گاڑی کے کٹے ہوئے ڈبے جو ٹیلے کی اوٹ میں کھڑے ہیں ایکسپریس کے ڈرائیور کو اس وقت دکھائی دیں گے جب ٹرین موڑ مڑ رہی ہوگی اور اس وقت فاصلہ اتنا کم رہ جائے گا کہ ایکسپریس کا ان ڈبوں سے ٹکرا جانا یقینی ہے ـــــ تب کیا ہوگا؟!!

اُس نے تصور میں حادثہ ہوتے ـــــ ایکسپریس کے ڈبوں کو ایک دوسرے میں دھنستے اور قلابازیاں کھاتے دیکھا ـــــ ہزاروں لوگوں کی قیمتی جانیں ضائع ہونے اور لوگوں کے معذور ہو جانے کے تصوّر ہی سے صابر کو جھرجھری آگئی اور اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

صابر نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کی طرف دیکھا تو ایک دم اُٹھ کھڑا ہوا۔

"اُف! ایکسپریس کا وقت ہو چکا ہے"۔

صابر نے آؤٹر سگنل کی طرف دیکھا تو سگنل ہو چکا تھا۔

صابر کے ذہن میں بجلی سی کوندی ـــــ کسی نامعلوم جذبے کے تحت وہ سگنل مین کے کیبن کی طرف دوڑ پڑا۔

ابھی وہ سگنل مین کے کیبن سے بہت دور تھا کہ اُس نے دور سے ریل گاڑی کی آواز سُنی صابر کی رفتار اور تیز ہو گئی ـــــ صابر ہاتھ لہراتا سگنل مین کے کیبن کی طرف جیسے ہوا میں اڑا چلا جا رہا تھا۔

صابر ابھی کیبن سے خاصہ دور تھا کہ کیبن مین کی نظر صابر پر پڑی جو ہاتھ سے کچھ اشارے کرتا کیبن کی طرف دوڑ رہا تھا۔

کیبن مین حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے گھبرا کر کیبن کی سیڑھیوں پر اتر آیا۔

"سگنل واپس کرو" ـــــ "سگنل واپس اٹھا دو" ـــــ "خطرہ ہے" ـــــ "خطرہ ہے"۔ صابر چلاّ رہا تھا۔

جدھر سے صابر دوڑا آرہا تھا کیبن مین نے گھبرا کر اُس طرف دیکھا۔ مگر اُسے کچھ دکھائی نہ

دیا۔ مگر گھبرا کر کیبن مین آدھی سیڑھیوں سے واپس کیبن کی طرف دوڑا — اور جب سگنل مین نے واپس سگنل کھینچا ایکسپریس تیزی سے پٹری پر بڑھتی دکھائی دے رہی تھی۔
جوں ہی ایکسپریس کے ڈرائیور کی نظر واپس اُوپر اٹھتے ہوئے سگنل پر پڑی اُس نے گھبرا کر ہنگامی بریک کھینچ دیئے۔
ریل گاڑی کے پہیّوں سے چنگاریاں پھوٹنے لگیں اور ریل بڑی ہیبت ناک چیخوں اور سیٹیوں کے ساتھ کیبن سے خاصی آگے جا کر رک گئی۔
خوف زدہ مسافروں کے چہرے کھڑکیوں سے جھانک رہے تھے۔ کیبن مین دوڑتا ہوا کیبن سے نیچے آگیا۔ ایکسپریس کا ڈرائیور اور گارڈ بھی ٹرین سے اتر کر دوڑتے ہوئے کیبن کے پاس پہنچے جہاں سیڑھیوں سے لگا صابر کھڑا کانپ رہا تھا۔
صابر نے ہانپتے کانپتے ہوئے پوری تفصیل بتائی۔
حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے بہت سے مسافر بھی ڈبوں سے باہر آگئے تھے اور گھبرائے گھبرائے ایک دوسرے سے گاڑی کے رکنے کا سبب معلوم کرنے لگے۔

گارڈ۔ انجن ڈرائیور اور کیبن مین تصدیق کے لئے صابر کو ساتھ لیکر پہاڑی ٹیلے کی طرف روانہ ہوئے تب صابر پر روایتی خوف اور گھبراہٹ طاری ہوگئی۔ اُسے چکر آنے لگے۔ اور وہ بھیڑ میں سے چپکے سے نکل کر اپنے گھر چلا گیا — اپنے کمرے میں بند ہو کر بستر میں دُبک گیا۔
لوگوں نے جب ٹیلے کے ساتھ ہی موڑ پر کھڑے مال گاڑی کے ڈبے دیکھے تو خوف سے تھرا اُٹھے اگر صابر نے بروقت قدم نہ اٹھایا ہوتا تو ریلوے کی تاریخ کا سب سے بدترین حادثہ رونما ہو چکا ہوتا۔
ایکسپریس کے عملے اور مسافروں نے صابر کو بھیڑ میں تلاش کیا مگر صابر وہاں ہوتا تو ملتا۔ کیبن مین صابر اور صابر کے گھر سے واقف تھا۔ جب اُس نے بتایا کہ نزدیک ہی صابر کا گھر ہے تو سب لوگ جلوس کی شکل میں صابر اور اُس کے والدین کا شکریہ ادا کرنے کے لئے اُس کے گھر کی طرف چل دیئے۔
جب صابر کے والدین کو لوگوں نے ان کے بیٹے کے اس کارنامے کے متعلق بتایا تو انہیں کسی طرح یقین ہی نہیں آیا کہ بھلا صابر اتنا بڑا کارنامہ کیونکر کرسکتا ہے۔

لوگوں نے صابر کے والد سے صابر کو بلانے کے لئے کہا تو وہ اُسے بستر سے نکال لائے۔ صابر تو لوگوں کے سامنے آنے سے گھبرا رہا تھا مگر اُس کے والد اُسے باہر لے ہی آئے۔

ہر شخص صابر سے ہاتھ ملا رہا تھا ـــ اس کی حاضر دماغی اور جرأت پر اُسے شاباش دے رہا تھا اور پیار کر رہا تھا ـــ لوگوں نے صابر کو بہت سارے پیسے۔ کھلونے۔ کپڑے اور بہت سی چیزیں تحفے دیں۔

لوگ جب واپس ریل گاڑی کی طرف چلے گئے تو قصبے کے لوگ۔ عورتیں، بچے جوق در جوق صابر کے گھر اُسے شاباش دینے اور اُس کے والدین کو مبارک باد دینے آنے لگے۔

رات کو ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی خبروں میں صابر کے کارنامے کا تفصیلی ذکر تھا۔

دوسرے دن صبح سے ملک بھر کی اہم شخصیات کی طرف سے صابر اور اس کے والدین کو مبارکباد کے ٹیلی گرام موصول ہونے لگے۔

صابر نے جو کارنامہ انجام دیا تھا۔ اُس نے صابر کی کایا پلٹ دی۔ آج اُسے وہ سب باتیں سمجھ میں آگئی تھیں جو برسوں سے اُس کے امّی ابّو اور ماسٹر اُسے سمجھا رہے تھے۔ کہ شکل صورت اور ڈیل ڈول ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔ آدمی کے حوصلے بلند ہوں۔ نیت نیک ہو۔ تو ہر ناممکن بھی ممکن ہو جاتی ہے۔ اگر اچھی سیرت نہ ہو تو اچھی صورت کسی کام کی نہیں ـــ جو لوگ خود کو ناکارہ اور فضول سمجھ لیں وہ واقعی ناکارہ اور فضول ہو جاتے ہیں ـــ جو خود کو بدصورت مان لے۔ اس کی روح بھی بدصورت ہو جاتی ہے ـــ اور اگر ارادے بلند ہوں۔ کردار اچھا ہو تو بدصورتی بھی خوبصورتی میں بدل جاتی ہے ـــ اور کمزور طاقت ور ہو جاتے ہیں۔

صابر کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے اسکول میں ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ اس خوبصورت تقریب میں صابر کو اس قدر ہار پہنائے گئے کہ صابر پھولوں سے لد گیا۔ اُس کے ساتھیوں نے اُس پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کیں۔

اُس کے اساتذہ نے اپنی تقریروں میں صابر سے اپنی محبّت کا اظہار کیا اور اُس کا حوصلہ بڑھایا تقریب کے آخر میں اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب نے صابر کو تحائف کا ایک پیکٹ دیا۔ رنگین کاغذ سے بندھے ہوئے اس پیکٹ پر ایک سفید کاغذ چسپاں تھا جس پر جلی حروف سے لکھا ہوا تھا۔

"حُسن کی پہنچ صرف آنکھوں تک ہے مگر اوصاف روح کو جیت لیتے ہیں۔"

دو نظمیں

(حاطِب صدیقی)

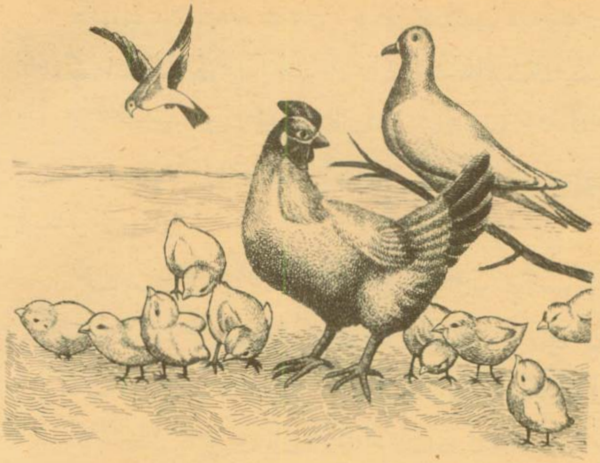

"FOOLISH BIRD" SAID THE HEN
MY FAMILY IS THE TEN
AND WE ALL LIVE
LIKE GENTLEMAN.

THE PIGEON SAID "COO"
WHAT SHALL I DO?
I HAVE'NT ENOUGH FOOD
FOR A FAMILY OF TWO.

کبوتر بولا : "غُٹرغُوں !"
"یا اللہ ! میں کیا کروں؟
دو افراد کے کُنبے کو،
آخر میں کیسے پالوں ؟
کیا لاؤں خود کھانے کو؟
کیا اِن کے مُنہ میں ڈالوں؟
کِس کِس سے فریاد کروں ؟
کِس کِس سے دانہ مانگوں؟
روتا ، کُڑھتا رہتا ہوں !
غُوں غُوں، غُوں غُوں، غُوں غُوں غُوں

مُرغی بولی : "بے وقوف !
دیکھ مجھے، میں کیسی ہوں ؟
دَس افراد کا کُنبہ ہے
پھر بھی خوش خوش رہتی ہوں
صبح سے محنت کر کر کے
دانہ سب کو چُگاتی ہوں
رب کا شُکر ادا کر کے
خود عزّت سے کھاتی ہوں
تو بھی اُٹھ اور محنت کر
کیوں روتا ہے، غُوں غُوں غُوں

کیا کیوں کیسے؟

طارق لطیف

● **بَرف سفید کیوں ہوتی ہے**

برف جمے ہوئے پانی کے ننھے ننھے ریزوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ یہ ریزے شفاف ہوتے ہیں یعنی ان میں سے روشنی آر پار گزر جاتی ہے۔ برف کی شکل میں یہ ریزے ایک ہی رخ پر نہیں ہوتے اس لئے جب روشنی ان میں سے گزرتی ہے تو اس کے مختلف رخ ہوتے ہیں ان ریزوں پر پڑنے والی سفید روشنی کا کوئی حصہ برف میں جذب نہیں ہوتا بلکہ ساری روشنی ان میں سے گزر جاتی ہے اس لئے یہ ریزے سفید نظر آتے ہیں۔

● **مچھلی پانی نہیں پیتی**

مچھلی پانی میں رہتی ہے لیکن پانی نہیں پیتی۔ وہ اپنی خوراک سے کافی نمی حاصل کرلیتی ہے اس لئے اسے پانی پینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ وہ پانی کھینچتی ضرور ہے اور اس سے لوگ یہی

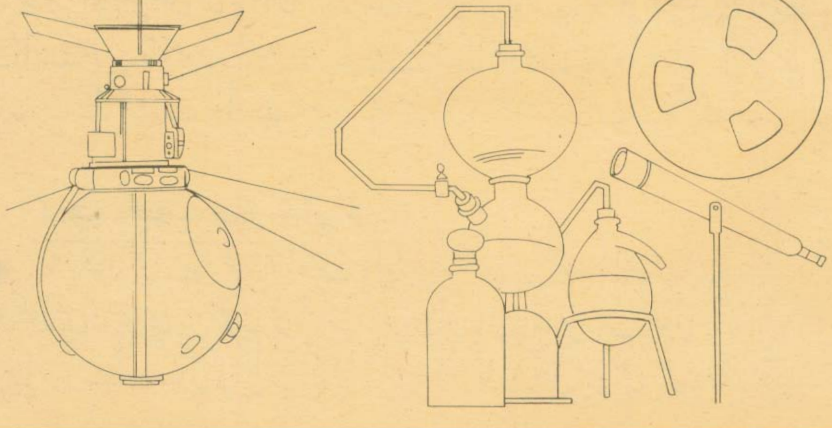

سمجھتے ہیں کہ مچھلی پانی پی رہی ہے لیکن وہ پانی کو اپنے گلپھڑوں میں بھر لیتی ہے۔ گلپھڑے کا خول پانی سے آکسیجن کھینچ لیتا ہے اور پھر پانی باہر آجاتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ مچھلی پانی سے سانس لیتی ہے۔

• چیونٹے لڑائی میں تیزاب استعمال کرتے ہیں

بعض قسم کے چیونٹے فوجی ہوتے ہیں اور ان کا کام اپنی قوم کی حفاظت کرنا ہوتا ہے۔ جب کوئی دشمن حملہ آور ہوتا ہے تو یہ فوجی چیونٹے اپنے جبڑوں کی مدد سے دشمن سے لڑتے ہیں اور ان کے جسم پر زخم پیدا کر کے ان پر ایک قسم کا تیزاب چھڑک دیتے ہیں۔ اس سے زخم زیادہ تکلیف دہ ہو جاتا ہے۔ اور دشمن میدان سے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔

شہد کی مکھیاں جرمانہ دیتی ہیں

• شہد کی مکھیاں شہد کی تلاش میں پھولوں پر جاتی ہیں تو کبھی کبھی پھول کے اندر گرفتار ہو جاتی ہیں۔ اس قید سے چھوٹنے کے لئے انہیں جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ بیج پیدا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ایک پھول کا زیرہ دوسرے پھول میں جائے۔ ایک پھول سے دوسرے پھول تک زیرہ لے جانے کا کام شہد کی مکھیاں اور دوسرے کیڑے کرتے ہیں۔ ایک جنگلی پھول کی بناوٹ ایسی ہوتی ہے کہ جب تک مکھی اس کے اندر نہ جائے شہد حاصل نہیں کر سکتی وہاں جا کر وہ گرفتار ہو جاتی ہے اور جرمانہ ادا کئے بغیر باہر نہیں نکل سکتی یہ تاوان اس زیرے کی شکل میں ہوتا ہے جو مکھی دوسرے پھولوں سے لے آتی ہے۔ زیرے کو پھول کے حوالے کرنے کے لئے شہد کی مکھی پھول کے ان حصوں پر رینگتی ہے جہاں زیرے کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیرہ دینے کے بعد وہ آزاد ہو جاتی ہے اور اڑ سکتی ہے۔

کچھ مچھلیاں اُڑ سکتی ہیں

• عام خیال یہی ہے کہ مچھلیاں صرف پانی میں تیر سکتی ہیں لیکن بہت سی مچھلیاں اُڑ بھی سکتی ہیں۔ ایسی مچھلیاں تقریباً تمام گرم سمندروں میں پائی جاتی ہیں۔ جب کوئی دشمن ان کا پیچھا کرتا ہے تو وہ پانی کی سطح سے اوپر اٹھ کر ہوا میں اُڑنے لگتی ہیں۔ کبھی کبھی وہ اتنی اونچی

اُڑتی ہیں کہ کسی گزرتے ہوئے جہاز کے عرشے پر جا گرتی ہیں۔

کچھ پرندے دعوت کا بدلہ چکا دیتے ہیں

● انگلستان میں اسٹارلنگ نامی ایک پرندہ ہے یہ امریکہ کے بعض حصوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ یہ ڈاکو پرندہ ہے، پھلوں کے باغوں کو بہت نقصان پہنچاتا ہے لیکن جتنا نقصان پہنچاتا ہے اس کی قیمت ادا کر دیتا ہے۔ پھلوں کے پکنے سے پہلے یہ باغ کے کیڑوں مکوڑوں کا صفایا کر دیتا ہے۔ ورنہ اگر یہ کیڑے زندہ رہ جائیں تو باغ کو اسٹارلنگ کی دعوت سے کئی گنا زیادہ نقصان پہنچے۔

● زمین کے آر پار سفر کیا جائے تو؟

اگر زمین کے آر پار راستہ بنانا ممکن ہو تو ریل گاڑی ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہوئی تقریباً ساڑھے پانچ دن میں ایک طرف سے دوسری طرف پہنچے گی۔ اور اگر کسی طرح زمین کی کشش کا مرکز کھسکا زمین کی ایک سمت کر دیا جائے تو دوسری سمت سے گرائی جانے والی کوئی چیز صرف بیالیس منٹ بائیس سیکنڈ میں زمین کے آر پار کا سفر طے کرے گی۔ لیکن یہ سب حساب کتاب کی باتیں ہیں کیونکہ زمین کے اندر اتنی گرمی ہوتی ہے کہ نہ تو ریل صحیح سلامت بچ کر گزر سکتی ہے اور نہ کوئی اور چیز۔

● ستارہ مچھلی کی تعداد کیسے بڑھتی ہے۔

ستارہ مچھلی سمندر میں پائی جانے والی ایک مچھلی ہے جو پانچ یا چھ بازوؤں والے ستارے کی طرح ہوتی ہے اگر ستارہ مچھلی کا ایک بازو ٹوٹ کر جسم سے الگ ہو جائے تو اس ٹوٹے ہوئے بازو میں چار پانچ بازو نکل آتے ہیں اور ایک الگ ستارہ مچھلی بن جاتی ہے۔

● ہماری کائنات کتنی بڑی ہے

کائنات کی حقیقی تصویر کا خیال ذہن میں لانا ایک ناممکن بات ہے۔ ہم نہ صرف یہ نہیں

جانتے کہ کائنات کتنی بڑی ہے بلکہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ کائنات کتنی وسیع ہے۔

جب ہم زمین سے سفر شروع کرکے اس سے باہر نکل جائیں گے تب ہی یہ احساس ہوگا کہ کائنات کے بارے میں سوچنا کتنا مشکل ہے زمین شمسی نظام کا حصہ ہے لیکن بہت ہی چھوٹا حصہ۔ شمسی نظام سورج اور اس کے گرد گھومنے والے سیاروں، ستارہ نما اور شہاب ثاقب سے بھری پڑی ہے یہ ستارہ نما چھوٹے چھوٹے سیاروں کی طرح ہیں اور شہاب ثاقب ٹوٹے ہوئے ستارے ہیں،

ہمارا یہ نظام نظام شمسی ایک بہت بڑے نظام کا چھوٹا سا حصہ ہے یہ بہت بڑا نظام کہکشاں کہلاتا ہے۔ کہکشاں میں کروڑوں ستاروں پر مشتمل ہے اس میں سے بہت سے ستارے ہمارے سورج سے بھی بڑے ہیں۔ اور ممکن ہے ان کا اپنا علیحدہ نظام شمسی موجود ہو۔ ہماری کہکشاں میں نظر آنے والا ستارا سورج ہے یہ اتنی دور ہے کہ اس کے فاصلے کی پیمائش میل اور کلومیٹر کے بجائے روشنی کے سال میں کی جاتی ہے۔ روشنی ایک سال میں ساٹھ کھرب (٦٠٠٠،٠٠٠،٠٠٠،٠٠٠) میل سفر کرتی ہے۔ زمین کے سب سے قریب روشن ستارہ الفا سنتوری ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ ہم سے کتنی دور ہے؟ ٢٥٠ کھرب (٢٥٠٠٠،٠٠٠،٠٠٠،٠٠٠) میل۔

لیکن یہ سب کچھ تو ہم اپنی کہکشاں کے بارے میں بتا رہے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کہکشاں روشنی کے ایک لاکھ سال کے برابر وسیع ہے یعنی ایک لاکھ با ساٹھ کھرب۔

ہماری کہکشاں سے آگے غالباً لاکھوں کہکشاں موجود ہیں اور شاید یہ تمام کہکشاں —— کسی اور بڑے نظام کا محض ایک حصہ ہیں

تو اب آپ سمجھے کہ کائنات کی وسعت کا تصور کرنا کیوں ناممکن ہے۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ کائنات پھیل رہی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ چند ارب سالوں میں دو کہکشاں ایک دوسرے سے دوگنے فاصلے پر دور ہو جائیں گی۔

● آسمان نیلا کیوں نظر آتا ہے

پیارے بچو، ہم دن کے وقت نظر اوپر اٹھائیں تو ہمیں دور تک پھیلا ہوا نیلا آسمان نظر

آتا ہے۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ دراصل آسمان نیلے رنگ کا نہیں ہے۔ اگر ہم زمین سے بہت زیادہ اوپر جا کر آسمان کو دیکھیں تو آسمان ہمیں کالے رنگ کا نظر آئے گا، آیئے ہم آپ کو بتائیں کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔

ہماری زمین مختلف گیسوں کے بنے ہوئے ایک غلاف میں لپٹی ہوئی ہے اس غلاف کو جو دراصل ہوا ہے، ہم فضا کہتے ہیں، یہ فضا جن گیسوں سے مل کر بنی ہے اس میں آکسیجن، نائٹروجن اور کاربن ڈائی آکسائڈ کے علاوہ پانی اور گرد کے چھوٹے چھوٹے ذرات بھی شامل ہیں۔ جب سورج کی سفید روشنی فضا میں داخل ہوتی ہے تو سات مختلف رنگوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ یہ رنگ سرخ، نارنجی، زرد، سبز، نیلا، اودا اور بنفشی ہوتے ہیں۔ ان تمام رنگوں میں سے نیلا رنگ سب سے واضح ہوتا ہے اس لئے آسمان ہمیں نیلے رنگ کا نظر آتا ہے۔

ہچکیاں

سب سے طویل ہچکیوں کا ریکارڈ آرتھر ہوا کے چارلس آرس برن (پیدائش ۱۸۵۴ء) نے قائم کیا ہے۔ ۱۹۲۲ء سے اب تک اُسے مسلسل ہچکیاں آرہی ہیں ان ہچکیوں کا آغاز اس وقت ہوا جب چارلس ایک سُور ذبح کر رہا تھا۔

سب سے شدید چھینک

سب سے شدید چھینک میامی فلوریڈا کے ۱۷ سالہ جون کلارک کی تھی۔ ۴ جنوری ۱۹۶۶ء کو یکایک اُسے چھینکیں آنا شروع ہوئیں۔ اس سے پہلے وہ گردے کے درد کے سلسلے میں جیکس میموریل ہسپتال میامی میں زیر علاج رہ چکا تھا۔ یہ مسلسل چھینکیں ۸ جون ۱۹۶۶ء کو ۱۵۵ دنوں کے بعد بجلی کے علاج سے ختم ہوئیں۔ ماہرین نے ان چھینکوں کے دوران خارج ہونے والے ذرات کی رفتار کا اندازہ ۱۰۳۰۶ میل فی گھنٹہ لگایا ہے۔

AA – 2/86

Orient

اچھا بچہ

حلیم چغتائی

دفتر کی ائر کنڈیشنڈ عمارت سے جونہی باہر نکلا، گرم گرم ہوا کا تھپیڑا میرے چہرے سے ٹکرایا میں بے اختیار ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا اس بار گرمی کچھ زیادہ ہی پڑ رہی تھی۔ آج مجھے کام تھا۔ اس لئے دفتر سے جلدی نکل آیا تھا۔ اور جلدی نکل آنے کی سزا بھگت رہا تھا۔ مشکل تو یہ تھی کہ میری موٹر سائیکل میرا چھوٹا بھائی لے گیا تھا۔ صبح تو رکشہ کر کے وقت پر دفتر پہنچ گیا تھا اب سہ پہر کے تین بجے چلچلاتی دھوپ میں سنسان سڑک میرا منہ چڑا رہی تھی۔ دونوں جانب خوبصورت شوروم والی دکانیں بھی بھائیں بھائیں کر رہی تھیں اور ان میں اکا دکا ہی گاہک نظر آتا تھا البتہ کچھ دور آگے گنّے والے کی ریڑھی کے پاس بھیڑ لگی ہوئی تھی۔

"حد ہو گئی!" میں نے سخت کوفت محسوس کرتے ہوئے کہا سوچا۔ "موٹر سائیکل ہوتی تو اب تک گھر پہنچ بھی چکا ہوتا" اس کے ساتھ ہی ذہن میں دوسرا خیال آیا اور جو موٹر سائیکل ہمیں بیچ سڑک پر دغا دے جاتی تو۔؟ اور پھر میں نے سر جھٹک کر جیسے ان اوٹ پٹانگ خیالات سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی۔ فی الحال تو گھر پہنچنے کی سوچو۔"

سڑک ابھی تک ویران تھی۔ میں امید بھری نظروں سے اس طرف تکنے لگا جہاں سڑک آگے جا کر قدرے دائیں جانب گھوم جاتی تھی۔ شاید اس موڑ سے کوئی مہربان رکشہ یا ٹیکسی والا اپنا رکشہ اور ٹیکسی آہستہ آہستہ چلاتا ہوا میرے قریب لاکر روک دے اور سر نکال کر کہے، آؤ بابو جی۔ کہاں جانا ہے لیکن رکشہ یا ٹیکسی کے بجائے دور سڑک کے موڑ سے سرخ اور سیاہ رنگ کی ایک بس نمودار ہوئی۔ یہ ایک عمر رسیدہ بس تھی جو چل رہی تھی تو یوں لگ رہا تھا جیسے احسان کر رہی ہو۔ میں تیز دھوپ میں زیادہ دیر کباب بننے کے لئے تیار نہ تھا چنانچہ میں نے چھلانگ لگائی اور رینگتی ہوئی اس بس میں سوار ہو گیا۔ جس جانب کی کھڑکیوں پر دھوپ نہیں پڑ رہی تھی اس طرف کی ایک نشست پر دھم سے بیٹھ گیا میں نے بس کے اندرونی حصہ کا جائزہ لیا۔ بیشتر نشستیں خالی تھیں۔ گنتی کے چار پانچ مسافر بیٹھے تھے جو نہایت اطمینان سے اونگھ رہے تھے۔ خواتین کے حصے میں کوئی خاتون نہیں تھیں۔ البتہ کنڈیکٹر صاحب ایک نشست پر تقریباً لیٹ کر ڈرائیور صاحب سے خاصے خوشگوار موڈ میں باتیں کر رہے تھے بس کے انجن کا شور اتنا تھا کہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کنڈیکٹر صاحب کس موضوع پر اظہارِ خیال کر رہے ہیں۔

بس گھر گھراتی ہوئی چلی جا رہی تھی سڑک پہلے کی طرح سنسان تھی۔ اچانک مجھے یاد آیا کہ میں نے بس پر سوار ہو کر سواری کی وہ دُعا تو پڑھی ہی نہیں جو ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے۔ میں نے جلدی سے دُعا پڑھی۔ اتنے میں بس ایک اسٹاپ پر رک گئی۔ چند لمحوں بعد بس میں حرکت پیدا ہوئی۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن پتہ چلا کہ ڈرائیور صاحب بس کو ذرا کھسکا کر فٹ پاتھ کے بالکل ساتھ لگا رہے تھے۔ تو اب اس مصیبت میں، میں نے سوچا خیر اب کیا ہو سکتا ہے میں نے بیزار ہو کر بس کے دیگر مسافروں کی طرح آنکھیں بند کر لیں اور اونگھنے لگا۔

ذرا دیر بعد مجھے یوں لگا۔ جیسے کسی نے میرا بازو ہولے سے ہلایا ہو۔ میں نے چونک کر آنکھیں کھولیں تو ایک کم عمر لڑکے کو اپنے سامنے ہاتھ پھیلاتے کھڑا پایا۔ اس کے چہرے پر شرمندگی کے آثار

تھے جیسے مجھے گہری نیند سے بے وقت جگا کر وہ سخت پشیمان ہو۔ اس نے سستے سے کپڑے کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی جس میں تین چار پیوند تھے۔ پیروں میں اسفنج کی گھسی ہوئی چپل تھی سر کے بال الجھے ہوئے تھے اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ کئی دنوں سے نہ نہایا ہو۔ عام حالات میں مجھے کوئی اس حُلیہ میں ملتا تو لاحول پڑھ کر گزر جاتا۔ اس وقت حالانکہ میں سخت بوریت محسوس کر رہا تھا۔ شدید گرمی اور اس پر عجائب گھر میں رکھے جانے کے قابل اس بس کا سفر، اور پھر گھر پہنچ کر اپنا کام نمٹانے کی جلدی۔ ہونا تو یہ چاہئیے تھا کہ میں اس لڑکے سے کہتا معاف کرو بھئی" اور پہلے کی طرح اونگھنے لگتا لیکن اس سانولے سلونے لڑکے کے چہرے میں کچھ ایسی بات تھی کہ میں اسے معاف کرو بھئی" کہہ کر آگے چلتا نہ کر سکا۔ بڑا معصوم سا چہرہ تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنی مرضی کے خلاف بھیک مانگنے کے لئے نکل کھڑا ہوا ہو میں نے بہت سے "تجربہ کار" گداگروں کو دیکھا ہے بھیک مانگ مانگ کر ان کے چہروں کی رونق ختم ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ عجیب بے غیرتی اور پھٹکار سی برسنے لگتی ہے لیکن اس نوعمر لڑکے کے چہرے پر ایسی کوئی علامت نہ تھی جو شرمندگی سے نظریں جھکائے اور ہاتھ پھیلائے میرے سامنے کھڑا تھا۔

بس حرکت میں آ چکی تھی اور شاید پیچھے اسی روٹ کی ایک اور بس آ گئی تھی جب ہی ڈرائیور صاحب تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ رہے تھے۔ میں نے اس لڑکے کو نظر بھر کر دیکھا۔

کہاں رہتے ہو۔؟ میں نے ذرا نرمی سے پوچھا۔

"جی ؟" اُسے شاید اس قسم کے سوال کی توقع نہ تھی۔ جی اُدھر پرانی مارکیٹ کے پاس"

والد کہاں ہیں تمہارے ؟"

"والد ؟۔ اچھا۔ ابّا ؟ انہوں نے تو مجھے یہ کام کرنے کے لئے کہا ہے" اس نے اُداسی سے بتایا۔

"خیریت ہے میں نے سوچا" ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی معصوم اولاد سے بھیک مانگنے کا کام لے رہے ہیں"۔

میرے ساتھ چلو، میں تمہیں پیسے دے دوں گا" میں نے کہا۔

"نہیں نہیں"۔ مجھے دیر ہو جائے گی "ابّا ماریں گے" اس نے خوفزدہ ہو کر کہا۔

تم چلتے ہو یا نہیں۔؟ میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا "نہیں چلو گے تو پولیس پکڑ کر لے جائے گی۔ معلوم نہیں بھیک مانگنے والوں کو پولیس پکڑ لیتی ہے۔"

پولیس کے نام پر تو اس کا رنگ اڑ گیا چلو۔" میں نے اس کا بازو پکڑ لیا اور اپنی نشست سے

اٹھ کھڑا ہوا۔ کیونکہ میرا مطلوبہ بس اسٹاپ قریب آ رہا تھا۔

بس رکی۔ میں نے جلدی سے کنڈیکٹر کو ٹکٹ کے پیسے تھمائے اور نیچے اتر گیا۔ وہ ڈری ڈری نظروں سے دائیں بائیں دیکھتا میرے ساتھ چل رہا تھا۔ گھر پہنچ کر میں نے اسے اپنے ڈرائنگ روم میں بٹھایا پنکھا چلایا کچھ پھل اس کے سامنے رکھے اور شربت بنوایا۔ اب اس کا خوف قدرے کم ہو چکا تھا۔ البتہ وہ اب بھی صوفے کے کنارے پر ٹکا ہوا تھا۔

نام کیا ہے تمہارا۔ میں نے تو تمہارا نام پوچھا ہی نہیں" میں نے دریافت کیا

"میرا نام خالد ہے" اس نے بدستور نظریں جھکائے جواب دیا۔

خالد دیکھو تم ابھی بہت چھوٹے ہو۔ یہ عمر تعلیم حاصل کرنے کی ہے۔ اس عمر میں تم اگر تعلیم حاصل کرلو گے تو آگے جاکر یہ تمہارے بہت کام آئے گی۔" اور اگر خدا نہ کرے تم یہ ہی کام کرتے رہے جو آج کر رہے تھے تو پھر سخت مصیبتیں اٹھاؤ گے سمجھے"۔

اس نے سر ہلایا۔

"میں جانتا ہوں" بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے پاس اپنے بچوں کو تعلیم دلوانے کے لئے پیسے نہیں لیکن میں تمہیں بتاؤں کہ ایسے بہت سے لڑکوں کو میں جانتا ہوں جو صبح اسکول جاتے ہیں اور دوپہر میں چھٹی ہونے کے بعد کس دوکان پر یا کسی ورکشاپ میں کام کرتے ہیں

جی پڑھنے کا تو مجھے بھی بہت شوق ہے۔ اس نے رُک رُک کر کہا "میں جی تیسری جماعت میں پڑھتا تھا۔ مجھے کہانیاں پڑھنے کا بہت شوق ہے"۔

"پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ تمہیں پڑھنے کا شوق ہے تو تم ضرور تعلیم حاصل کر دگے۔ تمہیں کہانیاں اچھی لگتی ہیں نا۔ لو میں تمہیں ایک کہانی سناتا ہوں"

"جی سنائیے" اس کی آنکھوں سے اشتیاق چھلکنے لگا۔

"اچھا سنو۔ مگر یہ پھل تو لو"۔ میں نے پھل اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے بسم اللہ وہ سیب کا ٹکڑا اٹھا کر منہ کی جانب لے جا رہا تھا۔ میرے بسم اللہ کہنے سے چونک گیا اور جلدی سے بسم اللہ پڑھ کر سیب کا ٹکڑا منہ میں ڈال لیا۔

تمہیں یہ تو پتہ ہوگا کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو مسلمان رہتے تھے ان کو کیا کہتے ہیں"؟

جی۔ مجھے پتہ ہے میں نے کتاب میں پڑھا تھا۔ ان کو صحابیؓ کہتے ہیں۔"

بالکل ٹھیک۔ تو ایسا ہوا کہ ایک صحابیؓ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپؐ سے کہا کچھ مدد مانگی۔ آپؐ نے ان صحابیؓ سے پوچھا "آپ کے گھر میں کچھ سامان بھی ہے؟" صحابیؓ نے بتایا "رسولؐ اللہ صرف دو چیزیں۔ ایک ٹاٹ کا بچھونا ہے جس کو ہم اوڑھتے بھی ہیں اور بچھاتے بھی ہیں اور پانی پینے کا ایک پیالہ ہے" آپؐ نے فرمایا: یہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آیئے۔"

یہاں پہنچ کر میں رکا اور شربت کا گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگایا۔

خالد سے صبر نہ ہو سکا اور وہ بڑی بے چینی سے بولا پھر؟ وہ صحابیؓ دونوں چیزیں لے کر گئے؟۔

مجھے ہنسی آگئی اور میں نے کہا "سنا رہا ہوں بھئی۔ تو وہ صحابیؓ اپنے گھر گئے اور دونوں چیزیں لاکر پیش کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں چیزیں دو درہم میں نیلام کر دیں۔ درہم جانتے ہو کیا ہوتا ہے؟"

اس نے پہلے ہاں میں پھر نہیں میں سر ہلایا۔

بھئی جیسے ہمارے پاس روپیہ، پیسہ ہوتا ہے اسی طرح اُس زمانے میں درہم ہوتا تھا۔ تو حضورؐ نے دونوں درہم صحابیؓ کو دے دیئے اور فرمایا جاؤ ایک درہم میں تو کچھ کھانے پینے کا سامان خرید کر گھر والوں کو دے آؤ اور ایک درہم میں کلہاڑی خرید لاؤ۔ پھر جب کلہاڑی آگئی تو ہمارے پیارے رسولؐ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کلہاڑی میں دستہ لگایا۔ دستہ جانتے ہو"؟

بستہ؟

بستہ نہیں دستہ۔ کلہاڑی کے جس حصے کو ہاتھوں میں پکڑتے ہیں اسے کہتے ہیں دستہ۔ تو آپؐ نے دستہ لگایا اور ان صحابیؓ سے فرمایا جایئے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کاٹ کر لائیے اور بازار میں بیچئے۔ پندرہ دن کے بعد آیئے گا اور پھر حال بتایئے گا۔

پندرہ دن کے بعد جب وہ صحابیؓ آپؐ کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے "پتہ ہے کتنے درہم جمع کر لئے تھے؟ پورے دس درہم۔ آپؐ کو جب معلوم ہوا کہ صحابیؓ نے محنت سے لکڑیاں کاٹ کر دس درہم جمع کر لئے ہیں تو آپؐ بہت خوش ہوئے اور آپؐ نے فرمایا:

یہ محنت کی کمائی تمہارے لئے اس سے کہیں بہتر ہے۔ کہ تم لوگوں سے مانگتے پھرو اور قیامت کے روز

تمہارے چہرے پر بھیک مانگنے کا داغ ہو!"
"کیا سمجھے"؟ میں نے کہانی ختم کر کے پوچھا۔
دیکھو جو لوگ بھیک مانگتے ہیں۔ قیامت کے دن ان کے چہرے پر بھیک مانگنے کا داغ ہوگا۔ قیامت تو جانتے ہو۔"؟
"جی اس نے آہستہ سے کہا۔ میں نے اس کی آواز میں لرزش محسوس کی صاف ظاہر تھا وہ اپنے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔
سنو! اگر تم بھیک نہ مانگنے کا وعدہ کرو تو میں تمہارے تعلیم کے اخراجات پورے کرنے کے لئے تیار ہوں" میں نے نرمی سے کہا۔
" صاحب مجھے اجازت دیں۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور تیر کی طرح دروازے سے باہر نکل گیا۔ میں اُسے روک بھی نہ سکا۔
اچانک مجھے اپنا وہ کام یاد آگیا جس کی خاطر میں دفتر سے جلدی نکل آیا تھا۔
چند دن بعد شاداب نگر کی مارکیٹ جانے کا اتفاق ہوا۔ یوں ہی میں ایک دوکان پر رکھے ہوئے موزے دیکھنے لگا۔ مجھے موزے خریدنے تو تھے لیکن کوئی ڈیزائن پسند نہیں آرہا تھا۔
"صاحب السلام علیکم!"
میرے کانوں میں ایک مانوس آواز ٹکرائی۔ میں نے چونک کر نظریں اٹھائیں۔ طرح طرح کی اشیاء سے۔ بھرے شوکیس کی دوسری جانب خالد کھڑا مسکرا رہا تھا۔ آج اس کا سانولا سلونا چہرہ پہلے سے بھی زیادہ دمک رہا تھا۔ اس نے معمولی مگر صاف ستھرے کپڑے پہن رکھے تھے اور سر کے بال سلیقے سے جمے ہوئے تھے۔
"تم یہاں کہاں میں نے حیرت سے پوچھا۔
جی اب میں یہاں دوپہر سے رات آٹھ بجے تک کام کرتا ہوں" خالد خوش ہو کر بتانے لگا۔ میں نے ابّا سے کہہ دیا تھا کہ میں پڑھوں گا پھر ابّا کے ایک دوست نے یہاں پر نوکر کروا دیا۔ صبح کو میں اسکول جاتا ہوں"
پھر اس نے معصومیت سے پوچھا۔
"اب تو میں اچھا بچہ بن گیا ہوں نا — ؟"

فریبِ نظر

سیدھے کھنچے ہوئے دونوں خطوط کو غور سے دیکھئے اور بتائیے کہ کون سا خط نسبتاً بڑا ہے۔ اے اور بی والا یا سی اور ڈی والا دیکھا! آپ کی نظر دھوکہ کھا گئی ... اب آپ فٹے کی مدد سے جواب معلوم کیجئے

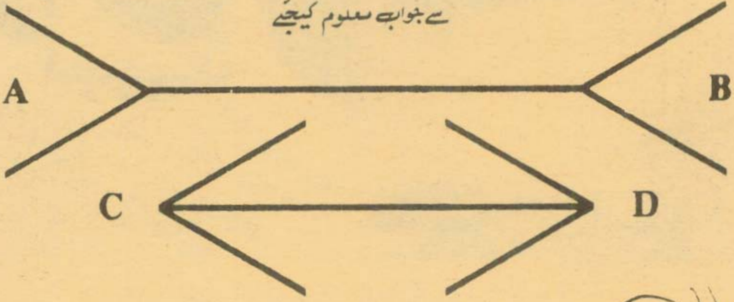

اِن تینوں خمیدہ لائینوں کو دیکھئے اور بتائیے کہ کس خط میں زیادہ خم ہے؟ اگر آپ کسی ایک لائین کو زیادہ ٹیڑھا سمجھ رہے ہیں تو غلطی کر رہے ہیں۔

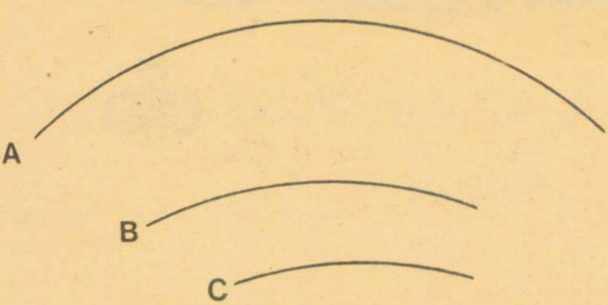

ہماری سپلائی کا مؤثر نظام اور سیلز کا کارگزار عملہ ہر صبح ہر شام
ہر جگہ تازہ مال کی فراہمی کے ضامن

DAWN
BREAD

گولڈن گرینز فوڈ اِنڈسٹریز لمیٹڈ

ہیڈ آفس : کراچی فون : 311818-312727

اسلام آباد: فون: 843883

MASS

مزے دار لطیفے

بکس میں شائع ہونے والا لطیفہ شمارے کا بہترین لطیفہ ہے،

"بہترین لطیفے" کا انعام حاصل کرنے کے لئے لطیفے کا نیاپن اور لطیفے میں مزاح کا پہلو شرط ہیں۔

شکریے کی رسید : شوہر اور بیوی کو کسی فلم کے دو ٹکٹ ڈاک سے ملے۔ ان کے ساتھ کوئی تحریر نہ تھی، یہاں تک کہ بھیجنے والے کا نام بھی نہ تھا۔ شوہر اور بیوی کے درمیان بحث شروع ہو گئی۔ شوہر کا کہنا تھا کہ یہ ٹکٹ اس کے کسی دوست نے بھیجے ہیں، اور بیوی کا اصرار تھا کہ اس کی کسی سہیلی نے بھیجے ہیں۔

آخر کار دونوں نے فلم دیکھی، واپسی پر گھر کا تمام قیمتی سامان غائب تھا۔ خالی ڈرائنگ رُوم میں پڑے ہوئے کاغذ پر لکھا تھا۔

"فلم دیکھنے کا بہت بہت شکریہ!" سعدیہ جمیل، قاسم آباد، کراچی

دھوکے بازی : "کیسا خراب زمانہ آگیا ہے، میں تو کہتا ہوں کہ قیامت نزدیک ہے، جہاں دیکھو فریب، جہاں جاؤ دھوکے بازی۔"
کیا ہوا؟
ہونا کیا تھا دیکھنے میں اچھا بھلا آدمی تھا۔ میں نے اس سے ڈیڑھ روپے کا سودا خریدا اور اُس نے بقایا میں ایک کھوٹی اٹھنّی دے دی۔
ممکن ہے اٹھنّی کھوٹی نہ ہو، ذرا دکھانا تو۔ دِکھاؤں کہاں سے؟ میں تو اس اٹھنّی سے سگریٹ خرید چکا ہوں۔
احمد جلبانی، ناگن چورنگی، کراچی

واپسی : ڈاکٹر (مریض سے) تم نے جو چیک دیا تھا بینک سے واپس آگیا ہے۔
مریض : آپ نے جس مرض کا علاج کیا تھا وہ مرض بھی تو واپس آگیا ہے۔
دانش انجم، گلشنِ اقبال، کراچی

اچھے پروگرام : ایک دوست (اپنے ٹی وی پروڈیوسر دوست سے) سناؤ آج کل ٹی وی پر کیا کر رہے ہو؟
ٹی وی پروڈیوسر : کچھ نہیں ... گذشتہ ایک مہینے سے چھٹیوں پے ہوں۔
دوست : میرا بھی یہی خیال تھا کہ تم چھٹیوں پے ہوگے۔
پروڈیوسر : (حیرت سے) تمہیں یہ اندازہ کیسے ہوا؟
دوست : دراصل گزشتہ ایک مہینے سے ٹی وی پے پروگرام بڑے اچھے آرہے ہیں۔
وقاص اکرم، سنجوال، اٹک

بہترین کامیڈی : ملازمت کے لیے اُمیدواروں کا انتخاب ہو رہا تھا، ایک اُمیدوار سے پوچھا گیا۔ "آپ اور کیا کام جانتے ہیں؟"
میں کامیڈی بڑی اچھی کر لیتا ہوں، اُمیدوار نے جواب دیا۔ پھر اس سے کہا گیا، کوئی عمدہ سا مذاق کر کے دکھائیے؟
یہ سنتے ہی اس نے باہر بیٹھے ہوئے امیدواروں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "آپ سب

حضرات جا سکتے ہیں میرا انتخاب ہو چکا ہے۔" محمّد عظیم مغل، کنری سندھ

فرق : ایک دوست نے اپنے دوست سے پوچھا، بتاؤ گدھا گاڑی اور کار میں کیا فرق ہوتا ہے۔

دوست ذرا سوچ کر گدھا گاڑی میں گدھا باہر ہوتا ہے۔

رافع سعید۔ لیاقت آباد، کراچی

بہانہ : ایک نوجوان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ چھٹی کے لیے کیا عذر پیش کرے۔ بہرحال اُس نے آفیسر سے کہا جناب میرے دادا کی شادی ہے اس لیے میں کل نہ آسکوں گا۔

وہ اس عمر میں شادی کیوں کر رہے ہیں؟

جناب وہ تو اب بھی نہیں کر رہے تھے، یہ تو میں زبردستی کر رہا ہوں۔

ابیہہ کشفی، اسٹاف ٹاؤن جامعہ کراچی

زرخیز : ایک تقریب میں مشہور گلوکار نے گانا گایا تو حاضرین میں سے ایک شخص بے ساختہ بآواز بلند پکار اٹھا، اجی واہ کیا زرخیز گلا پایا ہے۔

پیچھے سے آواز آئی، اِس کی آبیاری کر کے آلو کاشت کر لو۔

شازیہ نسیم، نشینل سمینٹ انڈسٹریز کراچی

علاج بالغذا : ایک مٹاپے کی مریض خاتون کو جب اس کا خاوند ایک ڈاکٹر کے پاس لے گیا تو ڈاکٹر نے اُسے مشورہ دیا کہ آپ بیگم صاحبہ کو کسی پُر فضا وادی میں لے جائیں۔

"آرام کرنے کے لیے یا چرنے کے لیے؟" اس کے خاوند نے دھیمے سے پوچھا۔

ایاز احمد، فیڈرل بی ایریا کراچی

دیکھتا ہوں میں ۔۔۔۔ تم کیسے نہیں جاتے اسکول

یہ ہے ۔۔ بچوں کو پڑھانے کا
صحیح طریقہ

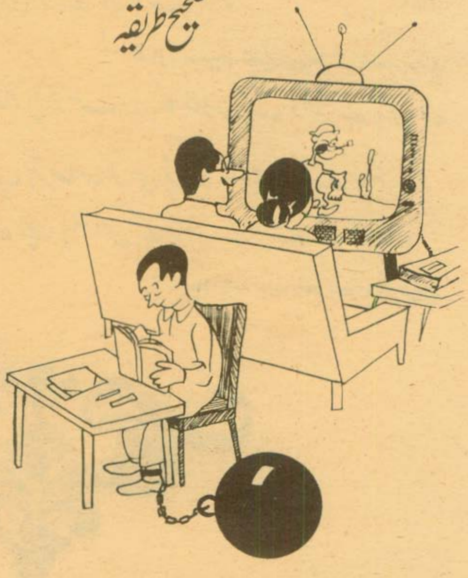

دائرۂ معلومات

ماہنامہ مقابلۂ معلومات

مرتبہ : اُمِّ رُباب جعفری

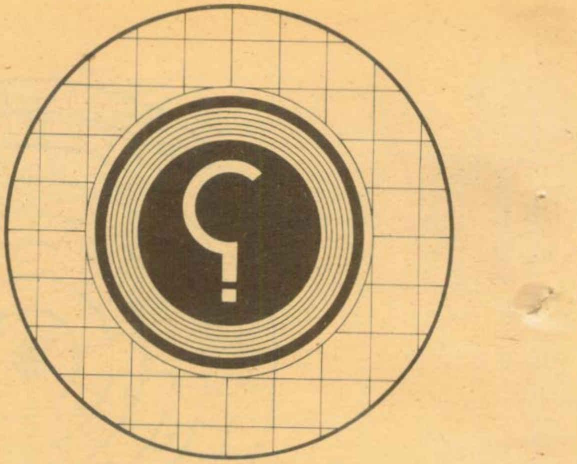

آنکھ مچولی ۔کے پڑھنے والے بچے. یقیناً معلوماتِ عامہ میں بھی دلچسپی رکھتے ہوں گے۔ ہم اس شمارے سے ان کے لیے ایک بالکل منفرد سلسلہ کا آغاز کر رہے ہیں ۔جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں ۔ ایک دائرہ بنا ہوا ہے ۔ہم نے اس دائرے کو" دائرہ معلومات " کا نام دیا ہے ۔ اس دائرے میں مختلف اعداد تحریر ہیں ۔آپ نیچے لکھے ہوئے اشارے ترتیب وار پڑھتے جائیے اور ان کے جوابات ان خانوں میں تحریر کرتے جائیے ۔ پہلے اشارے کا جواب جس حرف پر ختم ہو گا ۔ دوسرے اشارے کا جواب اسی حرف سے شروع ہو گا ۔ مثلاً پہلے اشارے کا درست جواب اسلام ہے تو اگلے اشارے کا جواب حرف "م" سے شروع ہو گا ۔ آپ کی آسانی کے لیے ہم آپ کو دوسرا اشارہ بھی بتا دیتے ہیں دوسرا اشارہ ہے " مہابت " جو 'م' سے شروع ہوا تھا اور "ت" پر ختم ہوا ۔ اب "ت" سے شروع ہونے والا اگلا لفظ کیا ہے یہ تلاش کیجیے ۔ تو اب جلدی سے پنسل اٹھائیے اور دائرہ کو بھرنا شروع کر دیجیے ۔ تمام جوابات درست ہونے کی صورت میں ہم آپ کا نام اور تصویر بھی شائع کریں گے اور قرعہ اندازی کے ذریعے خوب صورت انعام الگ دیں گے ۔ (جواب بھجوانے کی آخری تاریخ ۱۰ جولائی ہے)

۱۔ پاکستان کا سرکاری مذہب ــــــــــ ہے ۔
۲۔ مسجد ــــــــــ خان پشاور میں ہے ۔
۳۔ ــــــــــ شاہجہاں نے بنوایا تھا ۔
۴۔ قطب الدین ایبک کا مزار ــــــــــ میں ہے ۔
۵۔ اس شہر کے نام پر قرآن پاک کی ایک سورت کا نام بھی ہے ۔

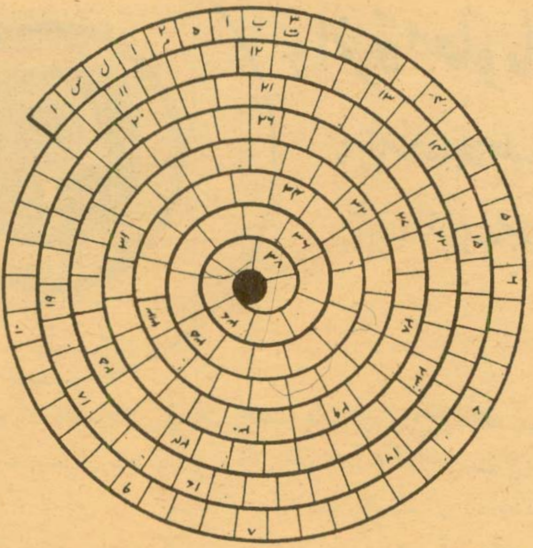

۶۔ بھارت کے صوبے تامل ناڈو کا صدر مقام۔

۷۔ ایک مشہور فاتح جو ۳۵۶ سنہ ق۔م میں پیدا ہوا اور ۳۲۳ سنہ ق۔م میں فوت ہوا۔

۸۔ ایک مُلک کا نام۔ جو ایک پھل کا نام بھی ہے۔

۹۔ پاکستان کے صدر۔ جن کا انتقال ۲۰ اپریل ۱۹۷۴ء کو ہوا۔

۱۰۔ فیض احمد فیض کا مجموعۂ کلام۔

۱۱۔ ایک سورت جسے قرآن کا دل کہا جاتا ہے۔

۱۲۔ ایک بادشاہ جس نے حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھنکوا دیا تھا۔

۱۳۔ اُردو کے ایک شاعر۔ جن سے علامّہ اقبال نے اپنے کلام پر اصلاح لی۔

۱۴۔ ؎ ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھّے
کہتے ہیں کہ ____ کا ہے انداز بیاں اور

۱۵۔ رقبہ کے اعتبار سے پاکستان کا سب سے بڑا اور آبادی کے اعتبار سے سب سے چھوٹا صوبہ ____ ہے۔

۱۶۔ ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ امریکہ کے شہر ____ میں ہے۔

۱۷۔ امام حسینؓ سالہ ھ میں ______ کے مقام پر شہید ہوئے۔
۱۸۔ اُردو کے سب سے بڑے مرثیہ گو شاعر۔
۱۹۔ پاکستان کا ایک شہر جو کھیلوں کے سامان کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہے۔
۲۰۔ ایک مشہور کردار جو بچّوں میں بہت مقبول ہے۔
۲۱۔ پاکستان کا سب سے بڑا فوجی اعزاز ______ ہے۔
۲۲۔ ______ کی رفتار ۱,۸۶,۰۰۰ میل فی سیکنڈ ہے۔
۲۳۔ تنظیم آزادیٔ فلسطین کے راہنما جناب ______ ہیں۔
۲۴۔ وہ مسلمان ملک جو آدھا یورپ اور آدھا ایشیا میں ہے۔
۲۵۔ جوش ملیح آبادی کی سوانح عمری کا نام ______ ہے۔
۲۶۔ روس کا ایک شہر جہاں ۱۹۶۶ء میں پاکستان اور بھارت کے سربراہوں کی ملاقات ہوئی تھی۔
۲۷۔ قطب مینار بھارت کے شہر ______ میں ہے۔
۲۸۔ ان پیغمبر کا نام بتائیے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تھے۔
۲۹۔ اُردو کے مشہور شاعر۔ جن کا اصل نام رگھوپتی سہائے تھا۔
۳۰۔ چین کا ایک مشہور بادشاہ۔ جس کے عہد میں مارکوپولو چین گیا تھا۔
۳۱۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے ۱۹۷۹ء میں ______ حاصل کیا۔
۳۲۔ ______ قرار داد پاکستان کی یاد میں تعمیر کیا گیا ہے۔
۳۳۔ عہد مغلیہ کی مشہور ملکہ۔ جس کا مقبرہ لاہور کے قریب شاہدرہ کے مقام پر ہے۔
۳۴۔ اُردو کے ایک شاعر۔ جن کی شاعری کے مجموعوں کے نام دیوان، برگِ نَے اور پہلی بارش ہیں۔
۳۵۔ نظام شمسی کا ایک سیّارہ جسے ۱۷۸۱ء میں ولیم ہرشل نے دریافت کیا۔
۳۶۔ یونان کا ایک فلسفی۔ جو افلاطون کا استاد تھا۔
۳۷۔ مراکش کا ایک شہر، جہاں ابنِ بطوطہ پیدا ہوا۔
۳۸۔ ایک آلہ جو کاشت کاری کے کام آتا ہے۔

مصنوعات کی دُنیا میں
ایسی کوئی مِثال یا ریکارڈ ہو تو بتایئے؟

مصنوعات کی فروغ کے لئے خاص طور پر زور دیا جاتا ہے کہ ہماری پروڈکٹ نام لے کر طلب کیجئے۔ جبکہ ہمارا مشورہ بالکل مختلف ہے۔ کیونکہ ہمارے مُفید و مؤثر ٹوتھ پاؤڈر کے نام اور فوائد سے بچّہ بچّہ واقف ہے۔ تو کیا خریدتے وقت اس کا نام لینا ضروری ہے؟ اِتنا کہنا کافی نہیں کہ

"مجھے اچھّا ٹوتھ پاؤڈر چاہیئے"

غور کیجئے! ہمیں آپ کے انتخاب پر کس قدر بھروسہ ہے کہ ہم آپ کے آزمودہ دلپسندیدہ "ٹوتھ پاؤڈر" کا نام "کمپنی کا نام"، یہاں تک کہ "مونوگرام" ظاہر کئے بغیر مصنوعات کی دنیا میں خود اعتمادی کی پہلی مثال قائم کر رہے ہیں۔ آپ کے تعاون ہی سے ہمیں ایک ایسا ریکارڈ قائم کرنے کا موقعہ مِلا جو مصنوعات کی دنیا میں واحد مِثال ہے۔ یقیناً یہ ایک ایسا اعزاز ہے جو خدا کے فضل و کرم سے اب تک کسی دوسرے پروڈکٹ کو نصیب نہیں ہوا۔

نوٹ: اپنا پسندیدہ ٹوتھ پاؤڈر خریدتے وقت اس کے لیبل کی فِنشنگ خصوصاً مونوگرام وغیرہ چیک کر لیں۔ ہم شکر گذار ہوں گے اگر آپ جعلی و نقلی کی شِکایت بھیجتے وقت دکاندار کا مکمل پتہ بھی تحریر کریں تاکہ ہم قانونی کاروائی کر سکیں۔ شکریہ

MANUFACTURER OF WORLD'S BEST TOOTH POWDER
P.O. BOX: 2110, KARACHI-18

روشنی کی کرن

سیّد عبدالودود شاہ

"ٹن ٹن ٹن ٹن ——!" اسکول کی گھنٹی بجی — خاموش کوریڈور میں اچانک ہی شور برپا ہوگیا تفریح کے وقفے میں سب ہی بچّے اِدھر اُدھر پھیلتے چلے گئے تھے۔ کچھ ہری ہری گھاس پر جا بیٹھے کچھ گیند بلا سنبھال کر کرکٹ کھیلنے لگے۔ انجم نے خاموشی سے کتابیں ڈیسک میں رکھ دیں اور سب کے جانے کا انتظار کرنے لگا۔ "ارے اس پوستی کو بھی اٹھاؤ۔ اتنا کاہل آدمی نہیں دیکھا۔" ظفر نے باہر جاتے جاتے چلّا کر کہا — انجم نے توجہ نہ دی۔ سب قہقہے لگاتے ہوئے نکلتے چلے گئے۔ سب لوگ نکل گئے تو وہ بھی خاموشی سے باہر نکل آیا اور ایک سنسان گوشے کا رُخ کیا — وہاں کوئی اور نہیں تھا۔

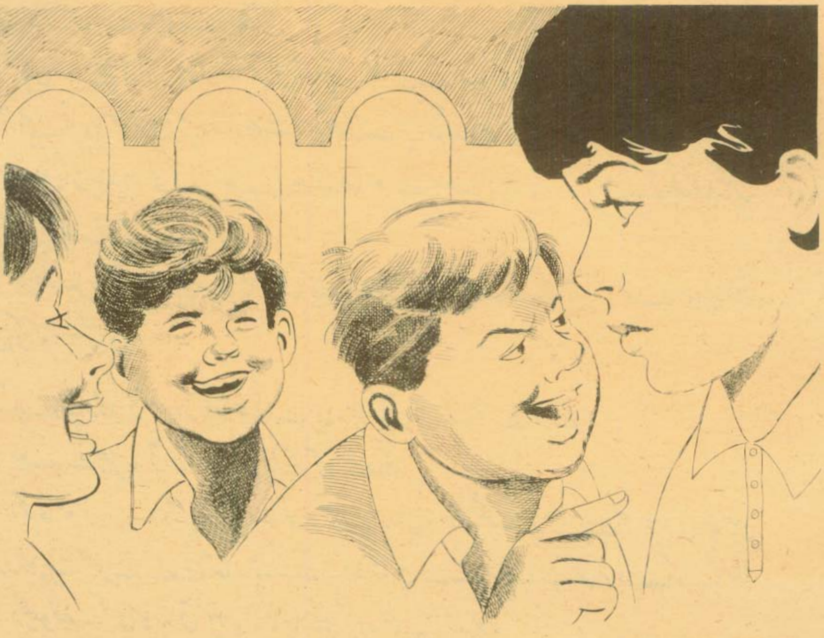

نہ ہی کسی اور کے آجانے کا امکان تھا۔ اس نے فکرمندی سے پہلے اردگرد دیکھا پھر آسمان کو گھورنے لگا۔ جہاں فضا کی گرمی میں کچھ اور بھی تیزی کا احساس ہو رہا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے جیب میں میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولا۔ آخری اٹھنّی جیب کی تہہ میں پڑی تھی۔ اٹھنّی۔ صرف ایک اٹھنّی۔ اس نے سوچا خیر کوئی بات نہیں کام چل جائے گا۔

وہ چپکے سے اٹھا اور عقبی گیٹ سے نکلتا چلا گیا۔ دو تین گلیاں عبور کر کے وہ ایک گلی کے اندر ایک مکان میں بنی ہوئی چھوٹی سی دکان کے سامنے رک گیا۔ وہاں اس کی اٹھنّی کام آگئی۔ اس نے دو پڑیاں بنوالیں اور اپنی پتلون کی دونوں جیبوں میں اس طرح ٹھونس لیں کہ اندازہ نہ ہو سکے کہ کوئی چیز ہے یا نہیں۔ یوں بھی اس کی پتلون کچھ ڈھیلی ہی تھی۔ اور جیبیں بھی کافی بڑی بڑی۔ وہ واپس آیا تو چند منٹ رہ گئے تھے۔ اس نے جلدی جلدی دونوں پڑیاں نکالیں اور اسی گوشے میں بیٹھ کر کھانا شروع کر دیں۔

"اوئے چنے خور۔ اکیلا کھا رہا ہے۔" اچانک ہی اس نے ظفر کی آواز سنی اور چونک کر سر اٹھایا۔ سدابہار کی جھاڑیوں کے پیچھے ظفر کھڑا تھا۔ اور اس کے پیچھے پوری ٹیم۔ وہ سب اس کا مذاق اڑانے والے انداز میں اسے دیکھ رہے تھے۔

"ہاں ۔ چنے کھا رہا ہوں۔ تم بھی آجاؤ۔" اس نے ضبط کر کے بڑے اخلاق سے کہا۔

"ایک تو دو مٹھی چنے ہیں۔ دوسرے ہم گھوڑے ہیں نہ گدھے جو چنے کھاتے پھریں۔" ظفر نے اس کا مذاق اڑایا۔ وہ سمجھ گیا کہ ظفر نے اسے گدھا ہونے کا طعنہ دیا ہے۔ مگر اس نے کچھ کہا نہیں البتہ کھاتے کھاتے رک گیا۔

"دراصل امّی بیمار ہیں۔ کھانا نہیں پک سکا۔ اس لئے چنے لے رکھے ہیں۔" اس نے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔

"ارے تمہاری امّی ہر روز باقاعدگی سے بیمار ہو جاتی ہیں اور تم چنے کھاتے ہو۔"
ظفر نے پھر مذاق اڑایا۔ باقی لڑکے بھی ہنسنے لگے۔

انجم خاموش رہا۔ وہ کیا بتاتا کہ امّی تو واقعی بیمار ہیں۔ لیکن گھر پر اتنے پیسے بھی نہیں کہ چھ بہن بھائیوں کا پیٹ بھرنے کے لئے کھانا پک سکے۔ وہ بھی کئی دن سے صرف چنے کھا کر وقت گزار رہا تھا۔

"دیکھو ظفر۔ کسی کا مذاق نہیں اڑانا چاہیے۔" اچانک راشد بولا۔

اس نے شاید محسوس کرلیا تھا کہ انجم کے ساتھ زیادتی ہورہی ہے۔ سب اس کا مذاق اڑا رہے ہیں اور وہ خاموش ہے۔

"تم بھی چنے خور ہو جاؤ اس کے ساتھ چنے پھانکو۔" ظفر نے قہقہہ لگایا۔ "چلو بھئی کلاس شروع ہونے والی ہے۔" وہ سب چلے گئے۔ صرف راشد کھڑا رہ گیا۔

"انجم۔" اس نے خاموش بیٹھے انجم کو آواز دی "چلو میرے ساتھ۔"

"نہیں۔" انجم نے انکار میں سر ہلایا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں رکے ہوئے آنسو چھلک ہی پڑے۔ راشد گھبرا گیا۔ "ارے تم تو رو رہے ہو۔" انجم نے جلدی جلدی آنسو پونچھ دیئے۔ "نہیں نہیں کوئی بات نہیں۔"

"دیکھو انجم۔ دنیا میں ہر طرح کے لوگ ہیں۔ بُرا ماننے کی بات نہیں۔ ان کی باتوں پر دھیان ہی مت دیا کرو۔" "اپنے کام سے کام رکھو۔ بُرا بھلا کہنے والوں کو کہنے دو۔"

"اچھا اچھا۔ ٹھیک ہے۔" انجم بات ٹالتے ہوئے بولا۔

"تم کیوں چنے کھاتے ہو۔ کیا کھانا نہیں ملتا گھر سے؟" آخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

انجم خاموش رہا۔

"ارے بتاؤ نا۔ کیا بات ہے؟"

"میں نے بتایا نا کہ امی بیمار ہیں۔"

"وہ میں بھی جانتا ہوں۔ تم کئی دن سے یہی کہہ رہے ہو۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ بات سچ تو ہے۔ لیکن پوری بات تم چھپا رہے ہو۔"

"تم جو چاہے سمجھ لو۔" انجم نے سر جھٹک دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

لیکن راشد نے اس کا راستہ روک لیا۔ "نہیں پہلے بتاؤ اصل معاملہ کیا ہے؟"

انجم رُک کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اسے اندازہ تھا کہ راشد اپنی دُھن کا پکا ہے۔ جس بات کے پیچھے پڑے گا کر کے رہے گا۔ اس نے گہرا سانس لیا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے ابو کا تین مہینے پہلے انتقال ہو چکا ہے۔ انہوں نے کبھی حرام کی کمائی اکٹھی نہیں کی۔ اس لئے ان کے انتقال کے بعد سارا بوجھ امی پر پڑا ہے۔ وہ خود مستقل بیمار ہیں۔ بہن بھائی سب مجھ سے چھوٹے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں اب تک گھر کی چیزیں بیچ کر گزارہ کیا ہے۔"

انجم بولتے بولتے یکا یک رک گیا شاید اسے احساس تھا کہ ہر بات کہہ دینا ٹھیک نہیں ہے۔ راشد چند لمحے خاموش رہا— "اور تم کسی کے آگے مدد کے لئے ہاتھ نہیں پھیلانا چاہتے نا؟"

انجم خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا— "میں سمجھ گیا ہوں— تمہارا مسئلہ کیا ہے۔ لیکن میں تمہیں کوئی بھیک دے کر تمہاری حیثیت کم نہیں کروں گا۔!"

تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"دیکھو تمہاری امی بیمار ہیں اور بہن بھائی چھوٹے۔ آمدنی کا شاید کوئی ذریعہ نہیں۔ صرف ایک بات ہو سکتی ہے۔" راشد کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"وہ کیا؟"

"تم صبح کو یہاں پڑھ لیتے ہو شام کو کیا کرتے ہو؟"

"کچھ نہیں بس کام تلاش کرتا ہوں"!

راشد نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا— "آج سے تمہاری تلاش ختم ہو گئی"!

اس نے کہا "آؤ چلیں— کلاس ہونے والی ہے۔ چھٹی کے بعد تم میرے ساتھ چچا جان کی فیکٹری چلو آج سے تم ان کی فیکٹری میں کام کرو گے—"!

انجم نے تشکر آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ کچھ کہنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ ٹن ٹن گھنٹی بج اٹھی— وقفہ ختم ہو چکا تھا۔ کلاس کی طرف جاتے جاتے اس نے راشد کو ایک بار پھر غور سے دیکھا۔ سچ ہے جہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہو وہاں روشنی کی کوئی کرن ضرور ابھر آتی ہے۔ اور راشد اس کے لئے رحمت کا فرشتہ ثابت ہوا تھا۔ "سچا دوست" اس نے راشد کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا جیسے کبھی نہیں چھوڑے گا۔

آپ کا کوئی **مشغلہ** تو ہوگا؟

آپ ڈاک ٹکٹ جمع کرتے ہیں؟ سکّے، کارڈز، آٹو گراف، ماچس یا کوئی اور چیز جمع کرنا آپ کے مشاغل میں شامل ہے ... تو سنیئے

ہم آئندہ شمارے سے "**مشاغل** کی کہانی" کے عنوان سے **عقیلہ عباس جعفری** کا سلسلۂ مضمون شروع کر رہے ہیں —— ہر مشغلے کا علمی پس منظر مشاغل کا طریقۂ انتخاب۔ مشاغل کے فوائد اور اچھے اچھے مشاغل کے بارے میں اہم معلومات حاصل کرنے کے لئے یہ مضامین ضرور پڑھئے ...

مانو بلّی سے بامحاورہ باتیں

احمد حاطب صدیقی

"میاؤں! میاؤں! میں آؤں؟"
مانو بلّی نے کھڑکی میں سے جھانکتے ہوئے پوچھا۔
"ضرور! ضرور! بڑی خوشی سے"

"میں آؤں؟!"
"جی ہاں میں نے عرض کیا نا! آپ تشریف لا سکتی ہیں!"
"میں آؤں؟!!"
"ارے بھئی آپ کب تک کھڑکی میں اٹکی ہوئی "میں آؤں! میں آؤں" کی رٹ لگاتی رہیں گی، اب آ بھی چکیے!"

"میں آؤں ؟ !!"

"بھئی مانو بلی! آپ کو ہمیں تنگ کرنے میں کیا مزہ آرہا ہے ؟ کہہ دیا ناکہ آجائیے !"

"میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ اگر آپ کسی ضروری کام میں مصروف نہ ہوں تو .... میں آؤں؟!!!!!"
مانو نے کھڑکی سے کود کر کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"جناب! میں مصروف تو تھا، مگر جب آپ سر پر سوار ہو ہی گئیں تو کیسے بھگا سکتا ہوں ؟"

"نہیں نہیں ! اگر آپ بہت مصروف ہوں تو .... میں جاؤں ؟ !!"

"اس سے پہلے کہ آپ "میں جاؤں ! میں جاؤں!" کی رٹ لگانا شروع کردیں یہ فرمائیے کہ آپ نے کیسے زحمت کی ؟ کیا کسی ضروری کام سے آئی تھیں ؟"

"کوئی خاص کام تو نہیں تھا، بس دیوار پر بیٹھی بور ہورہی تھی، آپ کو دیکھا تو سوچا کہ کچھ دیر آپ ہی سے "میاؤں میاؤں" کرلوں!"

"اچھا !!! تو کیجئے !!!"

"اوہو، آپ نے تو بڑی ٹھنڈی سانس بھر کر "اچھا، تو کیجئے" کہا ہے، کیا بہت ضروری کام کر رہے تھے؟"
مانو نے شرارت سے نقل اتارتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں ! میں بچوں کے رسالے "آنکھ مچولی" کے لئے ایک مضمون لکھ رہا تھا۔"

"کیا لکھ رہے تھے۔؟ ہمیں بھی سُنائیے !"

"بھئی بی مانو! آپ تو کمبل ہی ہوگئیں ! آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا !"

"کیوں سمجھ میں نہیں آئے گا؟ اگر میں آپ کی طرح پڑھی لکھی ہوتی تو پڑھ کر خود سمجھ لیتی میں ان پڑھ ضرور ہوں مگر ناسمجھ نہیں ہوں !"

"آپ ضرور سمجھ دار ہوں گی لیکن جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا"

"جناب میں آپ سے زیادہ سمجھ دار ہوں۔ آپ جب چھوٹے سے تھے تو کئی بار ایسا ہوا کہ گھر سے نکلے اور کھو گئے، مسجدوں میں اعلان کرانا پڑا، بازاروں، گلیوں اور پارکوں میں آپ کو ڈھونڈنے کے لئے محلے والوں کو دوڑانا پڑا، اور قریب ہی حلوائی کی دکان پر روتے ہوئے مل گئے۔ لیکن آپ مجھے شہر کے کسی کونے میں چھوڑ آیئے، سیدھی گھر پہنچ جاؤں گی !"

"یہی تو مشکل ہے کہ ہم آپ کو کہیں چھوڑ کر بھی نہیں آسکتے، آپ کی والدہ محترمہ نے تو آپ

کو پیدا ہوتے ہی سات گھر دکھا دیئے ہوں گے۔ آپ سے پیچھا چھڑانا اب ناممکن ہی نظر آتا ہے۔
لیجئے میں نے قلم رکھ دیا۔ اب پوچھئے آپ کیا پوچھ رہی ہیں؟"
"یہ بتائیے کہ آپ کیا لکھ رہے ہیں؟"
بانو نے ہار مانتے دیکھ کر فاتحانہ انداز میں سوال کیا۔
"میں دراصل محاورے اور ضرب الامثال لکھ رہا ہوں"
"مثلاً، کوئی سنائیے!"
"بھئی آپ کو تو کسی اسکول میں اُستانی ہونا چاہیئے تھا۔ لیجئے ایک ضرب المثل سنیئے، جس میں آپ کا بھی ذکر ہے:
"نو سو چوہے کھا کر بلّی حج کو چلی"
"بھئی یہ کسی نے ہم بلیوں کو بلاوجہ بدنام کرنے کے لئے گھڑا ہے۔ اور کسی ایسے موقع پر استعمال کرتے ہیں جب کوئی آدمی بُرے بُرے کام کرنے کے بعد اچانک نیکی کے کاموں کی طرف راغب ہو جائے۔ اوّل تو کوئی آدمی کسی وقت بھی سیدھی راہ پر لگ سکتا ہے، یہ کوئی بری بات نہیں ہے، بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے کہ اس نے بُرے کام چھوڑ دیئے اور اب نیک کام کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ مگر ہم جو چوہے کھا جاتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں اُس نقصان کا بڑا افسوس ہوتا ہے جو چوہے آپ لوگوں کو پہنچاتے ہیں، کتابیں اور کاغذ کتر ڈالتے ہیں، روٹی نوچ لیتے ہیں، کپڑے کاٹ ڈالتے ہیں، لہٰذا اگر کسی بلّی نے نو سو چوہے کھا بھی لئے تو آپ کو تو خوش ہونا چاہیئے!"
"چلیئے آئندہ خوش ہو لیں گے، مگر یہ بتائیے کہ یہ جو کچھ لوگوں کو "جلے پاؤں کی بلّی" کہہ دیا جاتا ہے یہ آخر کیوں کہا جاتا ہے"
"بھئی آپ کو تو معلوم ہی ہوگا کہ ہمارے پیر کے تلوے بڑے نازک، نرم اور گدیلے ہوتے ہیں اور اگر یہ جل جائیں تو ہمیں بڑی تکلیف ہوتی ہے اور ہم بڑی بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگتے ہیں، اور کسی پل قرار نہیں آتا۔ اس لئے اگر کوئی شخص پریشانی میں مبتلا ہو اور بے چین ہو ہو کر اِدھر اُدھر ٹہل رہا ہو تو کہتے ہیں کہ اس کی تو وہی مثال ہے، جیسے جلے پاؤں کی بلّی"
"بھئی واہ ہماری مانو کی تو بڑی معلومات ہیں۔ یہ بتائیے کہ یہ "اونٹ کے گلے میں بلّی"

کا قصہ ہے ؟"

"یہ آپ انسانوں کا قصہ ہے ۔ ایک مرتبہ ایک کنجوس میاں کا اونٹ کھو گیا تھا ، انہوں نے منّت مان لی کہ اگر وہ اونٹ مل گیا تو اس کو اونے پونے فرض کیجیے ایک روپے میں بیچ دوں گا۔ اتفاق سے اونٹ مل گیا۔ اب تو وہ بہت پچھتائے مگر کیا کر سکتے تھے ۔ آخر انہوں نے ایک ترکیب سوچی کہ اونٹ کی قیمت تو ایک روپیہ ہی رکھی مگر اس کے گلے میں ایک بلّی باندھ دی اور لوگوں سے کہنے لگے کہ اس بلّی کی قیمت پانچ ہزار روپے ہے ۔ جو اونٹ خریدے گا اس کو بلّی بھی خریدنی پڑے گی ۔ تو کسی ایسے موقع پر جب کسی قیمتی چیز کے ساتھ کوئی کم قیمت کی چیز بھی لینی پڑے ۔ مگر قیمتی چیز کے دام کم ہوں اور کم قیمت چیز مہنگے داموں مل رہی ہو یا کسی معمولی منافع کے بدلے زیادہ نقصان ہو رہا ہو تو کہتے ہیں کہ یہ تو وہی بات ہوئی کہ " اونٹ کے گلے میں بلّی ":

"اچھا یہ بتائیے کہ یہ "گربہ کشتن روزِ اوّل" بھی آپ ہی کے بارے میں ہے ؟"

"جی ہاں ! فارسی میں بلّی کو "گربہ" کہتے ہیں ۔ اور "کشتن" کے معنی ہیں مار ڈالنا ۔

روزِ اوّل تو آپ سمجھتے ہو ہوں گے یعنی پہلے دن ۔ قصّہ یہ ہے کہ دو دوست تھے ۔ ان دونوں کی شادی ہوگئی ۔ ایک کی بیوی بڑی لڑاکا اور منہ پھٹ تھی ۔ کوئی بات نہیں مانتی تھی ۔ جبکہ دوسرے دوست کی بیوی بڑی فرمانبردار اور بات ماننے والی تھی اپنے شوہر کا ہر حکم فوراً بجالاتی تھی ۔ پہلے دوست نے دوسرے دوست سے پوچھا کہ !

"دوست تمہاری بیوی تمہارا ہر حکم کیسے مان لیتی ہے ؟ میری بیوی تو ناک چڑھی ہے "

تو دوسرے دوست نے جواب دیا کہ :

"دراصل میں نے شادی والے دن گھر میں بڑا غصّہ کیا ، برتن توڑ پھوڑ ڈالے اور ایک بلّی سامنے آئی تو اس کی گردن بھی اڑادی ، یہ منظر دیکھ کر میری بیوی سہم گئی ، وہ دن اور آج کا دن ، اس نے آج تک کوئی حکم نہیں ٹالا ۔" یہ سن کر دوسرے دوست کی بھی ہمّت بندھی ، محلّے سے ایک بلّی پکڑ کر اس کی گردن اڑادی ، بے چاری اپنی جان سے گئی ۔ بیوی پہلے تو یہ منظر دیکھتی رہی ، جب وہ سب کچھ کر چکے تو اس نے اٹھایا بیلن اور کہا کہ آج تک تو تم شرافت سے گھر میں رہتے تھے ، آج یہ کیا اٹھا پٹک شروع کردی ایں ؟!! پھر ان کو وہ وہ سنائیں کہ بچّو جی کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا ۔ پسینے چھوٹ گئے ۔ جب بیوی نے پوچھا کہ اس بلّی نے کیا قصور کیا تھا تو ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا ۔ ناکام ہو کر پھر اسی دوست کے پہنچے کہ

"دوست میری بیوی نے تو میرا اور بھی بُرا حشر کر دیا "

تو ان کا دوست بولا کہ : "گربہ کشتن روزِ اوّل"
یعنی بلّی کو پہلے ہی دن مارنا چاہیئے تھا۔ اب کوئی فائدہ نہیں، چنانچہ جب کوئی شخص کوئی کام وقت گزرنے کے بہت بعد کرتا ہے، یا کوئی احتیاطی تدبیر مصیبت آجانے کے بعد سوجھتی ہے تو اس موقعہ پر کہتے ہیں کہ : "گربہ کشتن روزِ اوّل"

"تو یوں ہماری دو بلّیاں جان سے گئیں اور آپ لوگوں کو ایک ضرب المثل ہاتھ آگئی" مانو نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا :

"ارے مانو بلّی اداس نہ ہوں، یہ سب تو بس گھڑی گھڑائی باتیں ہیں سچ مچ میں ایسا تھوڑا ہی ہوا ہوگا۔ آپ یہ بتایئے کہ اس محاورہ کا کیا مطلب ہے کہ :

"پنچ کہیں بلّی تو بلی ہی سہی"

"ایک صاحب کے گھر میں چور کودا۔ "کھٹر بڑ سڑ بڑ" کی آواز سُن کر ان کی آنکھ کھل گئی انہوں نے ڈانٹ کر پوچھا "کون ہے ؟!! چور چالاک تھا اس نے ہماری آواز بنا کر کہا : "میاؤں" وہ سو گئے، پھر شور کی آواز سے ان کی آنکھ کھل گئی، انہوں نے پھر پوچھا کہ کون ہے، چور بولا : "میاؤں" مگر وہ جاگتے رہے۔ پھر آواز آئی تو انہوں نے "چور چور" کا شور مچا دیا۔ محلّے کے لوگ اٹھ گئے اور چور بھاگ گیا۔ تمام لوگوں نے کونے کونے میں چور کو تلاش کیا۔ مگر وہ کہیں نہ ملا۔

آخر لوگوں نے کہا کہ :

"بلّی ہی ہوگی"

انہوں نے کہا کہ "نہیں چور تھا !"

لوگوں نے کہا کہ : چور ہوتا تو کہیں سے تو پکڑا جاتا، بلّی ہی ہوگی "

انہوں نے کہا کہ : تھا تو چور ہی لیکن پنچ کہیں بلّی تو بلی ہی سہی "

اصل میں "پنچ" پانچ آدمیوں کو کہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی بات لوگوں کے سامنے ثابت نہ کر سکے یعنی اسے یقین ہو کہ اس کی بات صحیح ہے مگر وہ شخص اپنی بات کے ثبوت میں کچھ نہ کہہ سکے اور سارے لوگ اس کی بات کے خلاف اپنی بات کہہ رہے ہوں تو ایسے موقع پر کہتے ہیں کہ :

"پنچ کہیں بلّی، تو بلّی ہی سہی"

"بھئی بی مانو! ہم تو آپ کو مان گئے! اب یہ بتایئے کہ اس محاورے کا کیا مطلب ہے کہ

"بلیّ کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا؟"

"آپ تو یہ جانتے ہی ہیں کہ چوہے ہمارے دشمن ہیں اور ہم چوہوں کے دشمن ہیں۔ لیکن یہ چوہے ہوتے بڑے ڈرپوک ہیں۔ ایک مرتبہ سب چوہوں نے مل کر ہمارے خلاف سازش کی کہ کوئی ایسی ترکیب سوچی جائے کہ ہمارے آنے سے پہلے چوہوں کو پتہ چل جائے کہ ہم آرہے ہیں۔ کسی نے کچھ تجویز پیش کی کسی نے کچھ، آخر ایک چوہے نے یہ تجویز پیش کی کہ ہمارے گلے میں گھنٹی باندھ دی جائے۔ تاکہ جب ہم چلیں تو گھنٹی کی آواز سے ان سب کو پتہ چل جائے کہ ہم آرہے ہیں۔ تھے تو سارے بیوقوف۔ مگر ان میں ایک عقلمند چوہا بھی تھا۔

اس نے پوچھا کہ: "بلیّ کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا؟" تو یہ سُن کر سارے چوہے وہاں سے کھسک لئے۔ تو اگر کسی مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی جرأت مندآنہ قدم اٹھانے کی تجویز پیش کی جائے اور کسی مشکل کی روک تھام کرنے کے لئے بہادری کی ضرورت ہو۔ مگر وہ کام مشکل بلکہ ناممکن نظر آتا ہو تو اس کام کے لئے اگر کسی سے پوچھنا ہو کہ یہ کام کون کرے گا تو کہتے ہیں کہ :

"بلیّ کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا؟"

"اچھا اب یہ بتائیے کہ اس کا کیا مطلب ہے کہ :

"بخشو بی بلیّ، چوہا لنڈورا ہی بھلا!"

تو اگر کوئی شخص کسی کو پھانسنے کے لئے کوئی ترکیب استعمال کرے اور وہ ترکیب دوسرے شخص کی سمجھ میں آجائے تو ایسے موقعہ پر کہتے ہیں کہ :

"بخشو بی بلیّ، چوہا لنڈورا ہی بھلا"

"ویری گُڈ ! اچھا یہ بتائیے کہ "چوہے بھاگ بلیّ آئی" کا محاورہ کب استعمال کرتے ہیں"

"بھئی اگر دو چیزیں ایک دوسرے کے آگے پیچھے آرہی ہوں، یا دو واقعات ایک دوسرے کے آگے پیچھے ہورہے ہوں تو ایسے موقع پر یہ محاورہ استعمال کرتے ہیں۔ اسے "چوہے بلیّ کا کھیل" بھی کہتے ہیں"

"خوب کھیل کھیلتی ہیں آپ۔ یہ بتائیے کہ کیا "بلیّ کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا" بھی کوئی کھیل ہے؟"

"نہیں بھیاّ یہ کوئی کھیل نہیں — ہاں اسے قدرت کا کھیل ضرور کہہ سکتے ہیں۔ دراصل آپ لوگ اپنا تو بڑا خیال رکھتے ہیں مگر ہمارا ذرا بھی خیال نہیں رکھتے۔ اپنی چیزیں تو فرج یا نعمت خانے وغیرہ میں چھپا کر رکھتے ہیں اور جب بھوک لگتی ہے تو فوراً جاکر چٹ کر لیتے ہیں۔ ہمیں بھوک لگتی ہے تو ہم بولائے بولائے پھرتے ہیں۔ پہلے زمانے میں فرج وغیرہ تو ہوتے نہیں تھے، باورچی خانے میں

چیزیں رکھی رہتی تھیں۔ ہائے کیا سنہرے زمانے تھے۔ جب بھوک لگی تو جا کر دودھ پی آئے، گوشت کھالیا یا مچھلی ہڑپ کرلی۔ مگر لوگوں کو ہمارے دو لقمے بھی ایک آنکھ نہ بھائے تو انہوں نے "چھینکا" ایجاد کر لیا۔ چھت سے رسّی کے ذریعے کوئی تھال یا رسّی کا بنا ہوا جال لٹکا دیتے اور اس پر چیزیں رکھ دیتے ہمارے لئے اس سے کوئی چیز اتارنا ممکن نہ ہوتا تھا۔ البتہ کبھی کبھی قسمت یاوری کرتی اور چھینکا ہی ٹوٹ گرتا۔ بس ہمارے تو عیش ہو جاتے۔ ہندی زبان میں قسمت کو "بھاگ" کہتے ہیں۔ "بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا" کے معنی ہیں کہ بلّی کی قسمت سے چھینکا ٹوٹ گیا۔ اسی لئے جب کسی اتفاقی واقعے یا حادثے کے نتیجہ میں کسی شخص کو کوئی ایسی نعمت مل جاتی ہے جو اس کے لئے ممکن نہیں تھی، تو اس موقع پر کہتے ہیں کہ:

"بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا"

"واہ! آپ تو بالکل ہماری مس کی طرح سمجھاتی ہیں۔ آج سے ہم بھی آپ کو مانو کہنے کے بجائے "مس مانو" کہا کریں گے۔ ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ لوگ آپ کو شیر کی خالہ "کیوں کہتے ہیں۔ میں اکثر سوچتا رہتا ہوں کہ:

کیوں بلّی شیر کی خالہ ہے

کیا شیر کو اس نے پالا ہے

اب آپ ہی اس رشتہ داری کا راز بتا سکتی ہیں!"

"آپ کو کیا تکلیف ہے؟ میں شیر کی خالہ ہوں نا۔ آپ کی بہن شمّی کی طرح کوئی "شیطان کی خالہ" تو نہیں ہوں جو ہر وقت میری دُم پکڑ کر کھینچتی رہتی ہے"

"ارے ارے آپ تو خفا ہو گئیں۔ میں شمّی کو سمجھا دوں گا کہ آپ کی دم پکڑ کر نہ کھینچا کرے لیکن مس مانو وہ تو پیار سے دم کھینچتی ہے"

"جی ہاں! وہ تو پیار فرماتی ہیں ہماری جان نکل گئی ہے۔ آپ کو معلوم بھی ہے کہ ہم جانوروں کی دُم بڑی "امپارٹنٹ" چیز ہے۔ پرندے اپنی دم کی مدد سے نیچے زمین پر اترتے ہیں، بندر اپنی دُم سے دست و بازو کا کام لیتے ہیں اور پیڑوں پر لٹک جاتے ہیں، کتا اظہار وفاداری کے لئے دُم ہلاتا ہے، گائیں بھینسیں اپنی دُم سے "ٹیبل فین" کا کام لیتی ہیں۔ ہم بلیاں دُم سے غصّہ کا اظہار کرتی ہیں۔ اور بیل کی دُم ایکسیلیٹر کا کام کرتی ہیں"

"ایکسیلیٹر؟ کیا ہوتا ہے؟"

"واہ یہ بھی نہیں پتہ، ارے بھئی موٹر سائیکل کے ہینڈل میں دائیں طرف کا دستہ ایکسیلیٹر

کہلاتا ہے جس کو گھما کر گاڑی کی رفتار تیز کرتے ہیں"

"تو بیل کی دُم ایکسیلیٹر کیسے ہوگئی"

"آپ نے دیکھا نہیں کہ کھیتوں میں، یا بیل گاڑیوں میں کسان بیل کی دُم گھما کر اس کو تیز چلنے پر مجبور کرتے ہیں"

"بھئی یہ دُم کا دُم چھلاّ کہاں سے آگیا۔ اچھی خاصی باتیں ہو رہی تھیں۔ ٹھیک ہے میں شمّی کو سمجھا دوں گا اب وہ آپ کی دم نہیں کھینچے گی۔ اگر وہ ایسا کرنے تو آپ بے شک دُم دبا کر بھاگ جایئے گا، خیر یہ بتایئے کہ کیا شیر واقعی آپ کا بھانجا ہے؟"

"آپ نے بیالوجی یا حیاتیات تو پڑھی ہوگی۔ مختلف جانور مختلف خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً چھپکلی، سانڈے، گوہ وغیرہ ایک ہی خاندان تعلق رکھتے ہیں، اسی طرح ہمارا اور شیر میاں کا خاندان ایک ہی ہے۔ ہماری نانی اماں سگی بہنیں تھیں۔ اسی طرح شیرنی ہماری بہن ہوئی، اور شیر ہمارا بھانجا"

"مگر ہم نے یہ بھی سنا ہے کہ آپ نے شیر کو سب کچھ سکھا دیا، مگر درخت پر چڑھنا نہیں سکھایا، غالباً اپنی جان بچانے کے لئے ایک "گُر" آپ نے اپنے پاس رکھ لیا"

"ہاں یہ بات بھی تھی، کیوں کہ کبھی کبھی شیر صاحب غصّہ میں آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور ان کو بڑے چھوٹے کی تمیز نہیں رہتی۔ مگر ہم نے تو اصل میں ان کے بھلے ہی کے لئے ان کو نہیں سکھایا کیوں کہ ہڑ بونگے تو ہیں ہی، کہیں گر گرا گئے تو کوئی ہڈی وڈی تڑوا بیٹھیں گے اور ساری عمر کے لئے اپاہج ہو جائیں گے"

"اچھا تو یہ بات ہے، اور کوئی محاورہ بتایئے!"

"بھئی محاورے تو بہت سارے ہیں مگر ابھی ابھی میری نظر پڑی ہے، چھت پر سے ایک چوہا کود کر برابر والے گھر میں گیا ہے۔ شاید کم بخت چھُپ کر ہماری باتیں سن رہا تھا۔ ابھی اس کو سبق سکھاتی ہوں"

"ارے بھئی سنیئے! دو منٹ تو ٹھہریئے۔ ارے چھوڑیئے جانے دیجئے!"

مگر مانو کہاں سننے والی تھیں، ایک جمپ لگا کر روشن دان تک پہنچیں اور دوسری چھلانگ نیچے لگا کر یہ جا وہ جا۔

دو خوبصورت رنگوں میں

واسا

کے دلکش اور آرام دہ شوز ہر موسم کیلئے

خودکار اٹالین پلانٹ پر مختلف رنگوں میں تیار کردہ

حضرات کیلئے

ساحل
سلیپر

Retail Price
Rs.49.95

خواتین کیلئے

سینوریٹا
سینڈل

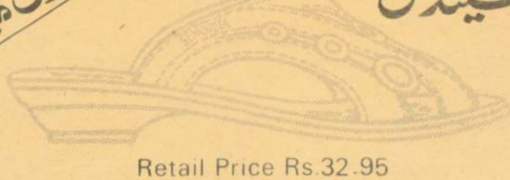

Retail Price Rs.32.95

واسا
Vasa
shoes

مضبوط
آرام دہ
دھل کرنئی

ہر شو اسٹور پر دستیاب

MASS

ایف ۱۶

جس کی سہی نہ جائے مار

پروفیسر لطیف اے خان

کیا آپ کو معلوم ہے کہ جس سواری کو آج کل موٹر سائیکل کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ اسے ۴۰ سال پہلے ہم اپنی زبان میں "پھٹ پھٹی" کہا کرتے تھے۔ اس کا نام اس کی پھٹ پھٹ کی وجہ سے پڑا تھا۔ لیکن اب تو یہ موٹر سائیکل کہلاتی ہے۔ رفتار بھی تیز۔ آواز بھی کم۔

اسی طرح اگر آپ پاک فضائیہ کے ٹائیگر موتھ یا فیوری طیاروں کو آج دیکھ لیں تو انہیں بھی پھٹ پھٹ طیارے کا نام دے ڈالیں گے۔ لیکن آج سے تقریباً ۳۸ سال پہلے یہی طیارے ہماری فضائیہ کی لڑاکا قوت تھے۔

جنگ میں فضائیہ کی اہمیت کے پیش نظر طیاروں کی رفتار، دور فاصلے تک پرواز کی صلاحیت زیادہ سے زیادہ اسلحہ لے جانے کی صلاحیت کے علاوہ ٹھیک ٹھیک نشانہ لگانے اور دشمن سے فضا میں معرکے کے وقت بہترین داؤ پیچ کے قابل بنانے کی کوشش مسلسل جاری ہے۔

پرانے طرز کے طیاروں میں پسٹن انجن استعمال ہوتا ہے۔ اب بھی بہت سے طیارے پسٹن انجن ہی استعمال کرتے ہیں عام طور پر ہم اس طرح کے طیاروں کو پنکھے والے طیارے کہتے ہیں۔

ہمارے یہاں سی۔ ۱۳۰ ہرکولیس طیارہ اسی طرح کا طیارہ ہے آپ نے بڑے شہروں میں اکثر ٹیڑھی دم والے اس بھاری بھرکم طیارے کو دیکھا ہوگا۔ یہ مال بردار طیارہ ہے۔

لیکن لڑاکا طیاروں کا کام ہی کچھ اور ہوتا ہے اس لئے دوسری جنگ عظیم کے دوران ہی جیٹ انجن والے طیارے استعمال ہونے لگے پاک فضائیہ میں حال ہی میں شامل ہونے والا جدید لڑاکا طیارہ ایف۔ ۱۶ اسی نسل کا طیارہ ہے۔

ایف۔ ۱۶ لڑاکا۔ بمبار طیارہ ہے۔ یعنی اس طیارے سے دشمن سے فضا میں لڑنے

اور دشمن کے دور دراز ٹھکانوں پر بم گرانے کا کام لیا جا سکتا ہے۔

ایف۔ ۱۶ کی رفتار بہت زیادہ ہے یہ آواز سے دوگنی رفتار یعنی ۱۴ سو میل فی گھنٹہ پر سفر کر سکتا ہے۔

ایف ۱۶۔ نہ صرف تیز رفتار ہے بلکہ گولہ بارود سے لیس ہو کر یعنی دو ہزار پونڈ کے تقریباً ۴ ۸ بم لے کر دشمن کے علاقے میں ۵۷۵ میل دور تک جا کر کارروائی کرنے کے بعد واپس آ سکتا ہے۔ اس کارروائی کے لئے ایف۔ ۱۶ کو ۱۶۲ ۳ کلوگرام ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے جو آسانی سے اپنے ٹنکی میں لے جا سکتا ہے۔ طیاروں کی حدِ پرواز اور رفتار کا تعلق وزن سے ہے اس لئے ہم ایندھن کی پیمائش گیلن یا لیٹر میں کرنے کے بجائے کلوگرام میں کرتے ہیں۔ ایف ۱۶ کے بازوؤں کے نیچے فاضل ایندھن کے ٹینک لگے ہوتے ہیں ان میں مزید ایندھن لے جانے کی گنجائش ہوتی ہے۔ اور اگر حملے کی کارروائی کے دوران ایف۔ ۱۶ کی فضا میں دشمن سے مڈبھیڑ ہو جائے تو یہ اپنا وزن کم کرنے کے لئے بازوؤں سے لگے ہوئے فاضل ایندھن کے ٹینک گرا دیتا ہے۔ اسی لئے ان کو "ڈراپ ٹینک" یا گرائے جانے والے ٹینک بھی کہا جاتا ہے۔

ایف۔ ۱۶ نے اپنی پہلی آزمائشی پرواز ۱۹۷۵ میں کی تھی۔ یہ طیارہ امریکہ کی ایک کمپنی نے بنایا ہے جس کا نام جنرل ڈائنامکس ہے۔

ایف۔ ۱۶ کی لمبائی ۴۷ فٹ ہے اور یہ ۱۶ فٹ ۳، انچ اونچا ہے اس کے بازوؤں کا پھیلاؤ

۳۰ فٹ ہے ایف۔ ۱۶ میں پراٹ اینڈ وھٹنی طرز کا طاقتور انجن لگا ہوا ہے، جو بجلی کے سرکٹ سے فوری طور پر اسٹارٹ ہو جاتا ہے اس طرح یہ طیارہ فوری طور پر اپنی کارروائی شروع کرنے کا اہل ہے، فوری اسٹارٹ ہونے کی وجہ سے ایف۔ ۱۶ صرف ۹۰ سیکنڈ میں رن وے پر دوڑتا ہوا فضا میں بلند ہو کر ۴۰ ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچ جاتا ہے اس طرح اگر ایف۔ ۱۶ کے مستعد ہوا باز کو دشمن کے آنے کی اطلاع حملے سے صرف دو منٹ پہلے مل جائے تو یہ زمین پر دشمن کا نشانہ بننے کے بجائے فضا میں بلند ہو کر دشمن کے سر پر جا دھمکے گا۔

دشمن کی پٹائی کرنے کے لئے ایف۔ ۱۶ کے پاس کئی نال والی ۲۰ ایم ایم کی گن موجود ہیں جن سے وہ ۱۳ ہزار راؤنڈ گولیاں برسا کر دشمن کا جینا حرام کر سکتا ہے۔

اس کے علاوہ ایف۔ ۱۶ کے بازوؤں کے نیچے فضا سے فضا میں مار کرنے والے انفرارڈ سائڈونڈر میزائل بھی لگے ہوئے ہیں۔ یہ انفرارڈ یعنی حرارت کی شعاعوں پر چلنے والے میزائل دشمن کے طیارے کے انجن سے خارج ہونے والی گرمی کی لہروں سے مشتعل ہو کر اس پر حملہ کر دیتے ہیں۔ اس میزائل کی رفتار ۱۶۵۰ میل فی گھنٹہ ہے اس لئے تیز سے تیز رفتار طیارہ بھی ان کی زد سے بچ کر نہیں جا سکتا۔ اس کے علاوہ ایف۔ ۱۶ کے بازوؤں کے نیچے مزید ۴ میزائل لگانے کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔

یہ طیارہ دشمن کے علاقے میں صرف ایک حملے میں دو ہزار پونڈ کے ۴۸ بم گرا سکتا ہے۔

ایف۔ ۱۶ کے ہوا باز کی کاک پٹ ایئر کنڈیشنڈ ہوتی ہے۔ اس کاک پٹ یعنی ہوا باز کی نشست والے خانے کے اوپر شفاف کنوپی ہے۔ یہ کنوپی اس طرح بنائی گئی ہے کہ ہوا باز بڑی آسانی سے اپنے چاروں طرف دیکھ سکے اور دشمن کا طیارہ کسی بھی طرح اس کی نظر سے چھپ نہ پائے۔

ایف۔ ۱۶ کی دیگر خوبیوں کے ساتھ اس کی ایجکشن سیٹ کا استعمال بھی اہم ہے ہوا باز کی یہ کرسی ہر طیارے میں ہوتی ہے اور خطرے کی صورت میں یا جب طیارہ خطرناک حد تک مجروح ہو چکا ہو اور اس کا بچنا مشکل ہو تو ہوا باز اپنی اس سیٹ کا ایک خاص بٹن دبا دیتا ہے۔ طیارے کی کنوپی کھل جاتی ہے اور سیٹ ہوا باز کو لئے ہوئے اچھل کر طیارے سے باہر آ جاتی ہے۔ فضا میں ہوا باز اپنا پیرا شوٹ کھول کر زمین پر آ جاتا ہے عام طیاروں میں ہوا باز کو اپنی ایجکشن سیٹ استعمال کرنے کے لئے طیارے کو فضا میں بلندی پر لے جانا پڑتا ہے۔ لیکن ایف

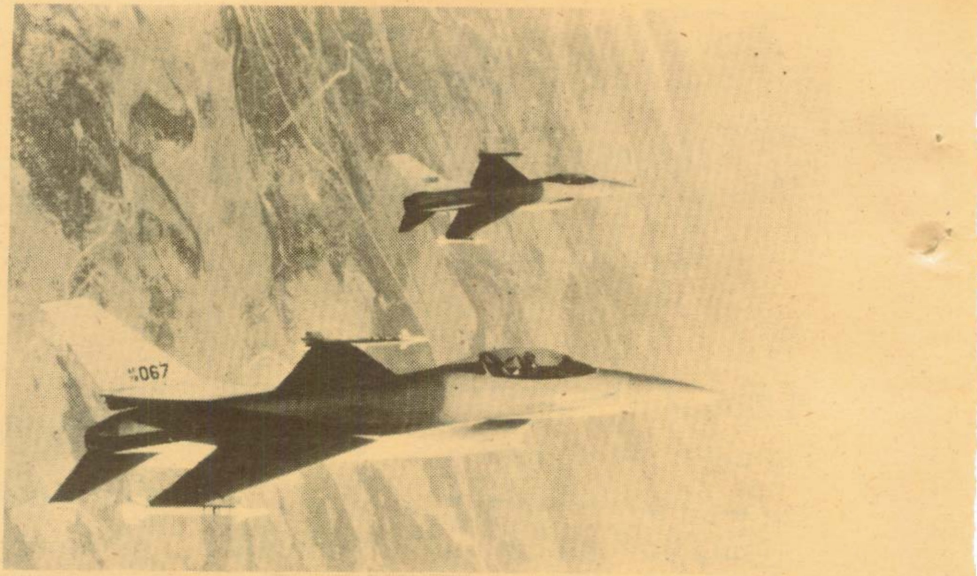

۱۶ میں کسی بھی جگہ ایجکیشن سیٹ کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔
ایف - ۱۶ میں دشمن کے علاقے پر ٹھیک ٹھیک جگہ بم گرانے کے لئے کمپیوٹر کا ایک ایسا نظام موجود ہے جو بم کو نشانے کا راستہ دکھاتا ہے۔ اس طیارے پر ایک ایسا راڈار بھی لگا ہوا ہے جو ہر طرف سے دشمن کی آمد کی پیشگی خبر کر دیتا ہے۔ اس طیارے میں ڈالما وکٹر اے ایل آر - ۶۹ راڈار کا وارننگ سسٹم بھی موجود ہے جو دشمن کے زمینی اور فضا میں بلند راڈار کی موجودگی سے ایف - ۱۶ کے ہوا باز کو خبردار کر دیتا ہے۔ اس سسٹم کی مدد سے ایف - ۱۶ کا ہوا باز دشمن کے زمینی اور فضا سے فضا میں وار کرنے والے میزائلوں سے اپنے طیارے کو بچا سکتا ہے۔
ایف - ۱۶ کی پرواز کا اصول انجن کی طاقت ہے اس طیارے کا کنٹرول پینل کمپیوٹر کے نظام سے منسلک ہے۔ ایف - ۱۶ اپنی پرواز کے دوران فضا ہی میں موجود ایندھن فراہم کرنے والے طیارے سے ایندھن حاصل کر سکتا ہے۔ اس طرح ایندھن لے کر ایف - ۱۶ مسلسل ۴ گھنٹے ۲۵ منٹ پرواز کر سکتا ہے۔ ایندھن کے اپنے ذخیرے کی مدد سے ایف - ۱۶ مسلسل ۲ گھنٹے ۵۵ منٹ پرواز کرنے کے قابل ہے۔ اس طرح ایف - ۱۶ طیارہ دشمن کے دور دراز ٹھکانوں پر بھی موثر حملے کر کے دہشت طاری کر سکتا ہے۔

کرامتی پیالہ

سیّد حسن ہاشمی

آؤ بچو! کہانی سنو۔ آج میں تمھیں ایک ہانی سُناتا ہوں۔ سینکڑوں سال پہلے کی بات ہے۔ ملک روم کا نام تو تم نے سُنا ہی ہو گا۔ ی ملک روم میں ایک بادشاہ رہتا تھا۔ اس دشاہ کی حکومت میں ایک سُنار بھی رہتا تھا ار بہت محنتی اور جستجو والا شخص تھا۔ وہ یشہ کسی چیز کی تلاش میں رہتا تھا۔ وہ ایسی یز دریافت کرنا چاہتا تھا جس کا دُنیا میں کوئی نی نہ ہو۔ وہ اس تلاش میں جنگلوں، بیابانوں ں بھٹکتا رہتا۔ لوگ اسے دیوانہ سمجھتے تھے ں کے جاننے والے اس کا مذاق اڑاتے تھے ن وہ تمام باتوں سے بے نیاز اپنی دھن میں ں رہا۔ آخرِ کار اس کی محنت رنگ لائی۔ ں نے ایک نئی دھات دریافت کر لی۔ ر نے اس دھات سے ایک خوب صورت ہ بنایا۔ پیالہ بنانے کے بعد سُنار خوشی سے لا نہ سمایا۔ پیالہ بالکل اُجلا تھا۔ اس میں ندی جیسی چمک تھی اور وزن میں بہت ہلکا تھا۔ ان دنوں اس قسم کا اور کوئی برتن نہیں بنا تھا۔ وہ پیالہ سب سے جُدا اور سب سے نیا تھا۔ سُنار سمجھ گیا کہ اس نے ایک بیش بہا خزانہ دریافت کیا ہے۔ سُنار نے فیصلہ کیا کہ یہ قیمتی پیالہ بادشاہ کو پیش کیا جائے۔

سُنار شاہی محل کی طرف چل پڑا۔ طویل مسافت طے کرنے کے بعد وہ وہاں پہنچا تھا۔ بڑی مشکلوں کے بعد اُسے بادشاہ تک جانا نصیب ہوا۔ جب وہ محل میں داخل ہوا تو بادشاہ کا دربار سجا تھا۔ تمام درباری بیٹھے تھے۔ اس نے بہت فخر سے بادشاہ کو پیالے کے بارے میں بتایا۔ پھر اپنی ریشمی گٹھری کھول کر اس میں سے پیالہ نکالا۔ پیالہ کی خوب صورتی دیکھ کر تمام درباری دنگ رہ گئے۔ بادشاہ نے پیالہ لینے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ سُنار نے بھی پیالہ بادشاہ کی طرف بڑھایا۔ اچانک صاف شفاف چمکتا ہوا پیالہ فرش پر گر گیا۔ چھن کی آواز دربار میں گونج اٹھی۔ ایک لمحے کے لیے بادشاہ

اور تمام درباری دم بخود رہ گئے۔ لیکن سُنار نے جان بُوجھ کر ایسا کیا تھا۔ وہ بادشاہ کو پیالے کی کرامت دکھانا چاہتا تھا۔ اتنی اونچائی سے گرنے کے بعد بھی پیالے کا کچھ نہ بگڑا تھا۔ وہ بالکل ٹھیک تھا اپنی اصلی حالت میں۔

سُنار کے پاس ایک ہتھوڑا بھی تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر پیالہ اٹھایا اور ہتھوڑا مار مار کر پیالے کو بالکل توڑ مروڑ کر رکھ دیا۔ بادشاہ منع ہی کرتا رہ گیا لیکن اس نے ایک نہ سُنی پھر اُسی ہتھوڑے سے ٹھوک ٹھوک کر پیالے کو پہلے کی طرح بنا دیا۔

ان دنوں ایسی کرامت والی دھات کے

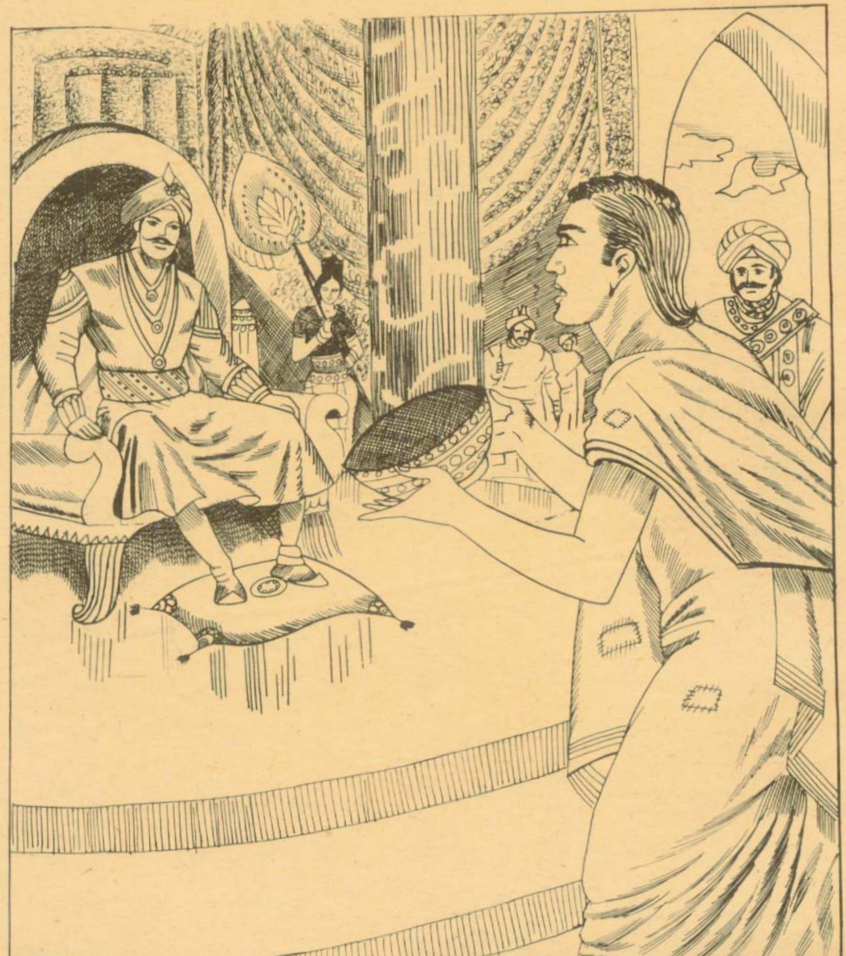

بارے میں لوگوں کو کچھ معلوم نہیں تھا ایسا کوئی برتن نہیں بنایا گیا تھا جسے توڑ مروڑ کر دوبارہ جُوں کا توں کر دیا جائے۔

بادشاہ کی حیرت کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اس نے پیالے کو ہاتھ میں لے کر دیکھا اس کرامت کا راز پوچھا۔ سُنار کی آنکھوں میں فخر کی چمک آ گئی۔ اس نے بادشاہ کو بتایا کہ اس نے ایک خاص قسم کی مٹّی دریافت کی ہے۔ اس مٹّی سے یہ انوکھی دھات نکلی ہے یہ کرامتی پیالہ اسی دھات سے بنا ہے۔

سُنار کی بات سُن کر بادشاہ فکرمند ہو گیا۔ سُنار نے یہ بھی بتایا کہ اس راز کو اس کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ بادشاہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ راز کوئی اور بھی جانے۔ اسے خوف ہوا کہ راز عام ہو گیا تو اس کے خزانے کی قدر و قیمت کم ہو جائے گی۔ سونا، چاندی ہیرے جواہرات کی اہمیّت کم ہو جائے گی۔ اس کرامتی دھات کے مقابلے میں ان خزانوں کو کوئی نہ پوچھے گا۔ اس لیے اس نے اس راز کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے انعام دینے کی بجائے سُنار کو سزائے موت دے دی۔ اس کا حکم ملتے ہی جلاد نے ایک ہی وار میں سُنار کا سر تن سے جُدا کر دیا۔

بچّو! کہانی تو یہیں ختم ہو گئی آپ سوچتے ہونگے کہ وہ انوکھا راز بھی اس سُنار کے ساتھ ختم ہو گیا ہو گا۔ مگر نہیں، ایسا نہیں ہو سکا۔ راز چھُپ نہ سکا۔ دھیرے دھیرے ساری دُنیا اس کی حقیقت جان گئی۔ آج وہ کرامتی دھات سب کے سامنے ہے۔ اس سے بنی چیزیں ہمارے آس پاس بکھری پڑی ہیں۔ وہ آپ کے گھر میں بھی ہے آپ اس کو کام میں لاتے ہیں۔ اب آپ اس دھات کا راز جاننے کے لیے بے چین ہونگے۔ تو سنیئے یہ کرامتی دھات ہے المونیم! یہ ایک خاص مٹّی سے بنتا ہے۔ سُنار نے اسی مٹّی سے کرامتی پیالہ بنایا تھا۔ آج اسے کون نہیں جانتا ہے۔ یہ بڑے کام کی چیز ہے آج کی دُنیا میں یہ بہت اہم مقام رکھتا ہے۔ ہر طرف اس کا بول بالا ہے۔ یہ ہماری کافی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ یہ چاندی کی طرح اُجلا ہوتا ہے، چمک دار ہوتا ہے۔ بے حد ہلکا ہی نہیں مضبوط بھی ہوتا ہے۔ لوہا، تانبا، پیتل وغیرہ دھاتوں میں زنگ لگ جاتا ہے مگر اس میں زنگ نہیں لگتا۔ اس پر سائنس دانوں نے طرح طرح کے تجربے کیے ہیں۔ آپ نے ہوائی جہاز اُڑتے ضرور دیکھا ہو گا۔ ہوائی اڈّے پر گئے ہونگے تو جہاز کو قریب سے دیکھا ہو گا۔ اس کی بناوٹ بھی دیکھی ہو گی۔

یہ جہاز المونیم سے ہی بنتا ہے۔ پٹرول کا نام تو سنا ہو گا یہ کتنے کام کی چیز ہے۔ اسے بھی یہی دھات صاف کرتی ہے۔

کارخانوں میں کچھ خاص بھٹیاں ہوتی ہیں ان میں بہت زیادہ گرمی ہوتی ہے۔ ان بھٹیوں میں المونیم کی ضرورت پڑتی ہے۔ بجلی کے کارخانوں میں اسے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے فوائد کی گنتی ہی نہیں آپ نے ریل گاڑی میں ضرور سفر کیا ہو گا۔ بس اور کار میں سوار ہوئے ہونگے۔ ٹرک دیکھے ہوں گے۔ اگر آپ غور سے دیکھیں تو ان گاڑیوں میں المونیم کے بنے سامان لگے نظر آئیں گے۔ آپ نے چاکلیٹ کھایا ہو گا۔ یہ بڑا میٹھا اور ذائقہ دار ہوتا ہے۔ اس پر ایک چمک دار پنی لپٹی ہوتی ہے۔ یہ پنی چاکلیٹ کی حفاظت کے لیے لگائی جاتی ہے اس پنی میں بھی یہ دھات ہوتی ہے۔

المونیم زمین کے اندر سے نکلتا ہے۔ اس کی کان ہوتی ہے۔ جیسے جیسے دنیا ترقی کرتی جا رہی ہے المونیم کا استعمال بھی بڑھتا جا رہا ہے۔ اب تو گھر کے دروازوں اور کھڑکیوں میں بھی المونیم استعمال ہوتا ہے۔

بلند ترین خراٹے

سینٹ میری ہسپتال کی کان ناک اور گلے کی بیماریوں کی تحقیق کے شعبہ نے نومبر ۱۹۶۸ء میں یہ رپورٹ شائع کی کہ ناگوار قسم کے خراٹوں کی آواز ۶۹ ڈیسی بل تک بڑھ سکتی ہے۔

جمائیاں

۱۸۸۸ء میں اطلاع ملی کہ ایک ۱۵ سالہ مریضہ مسلسل ۵ ہفتوں تک جمائیاں لیتی رہی۔

بھلچک بھیا جنگل گئے

ابو اُسامہ

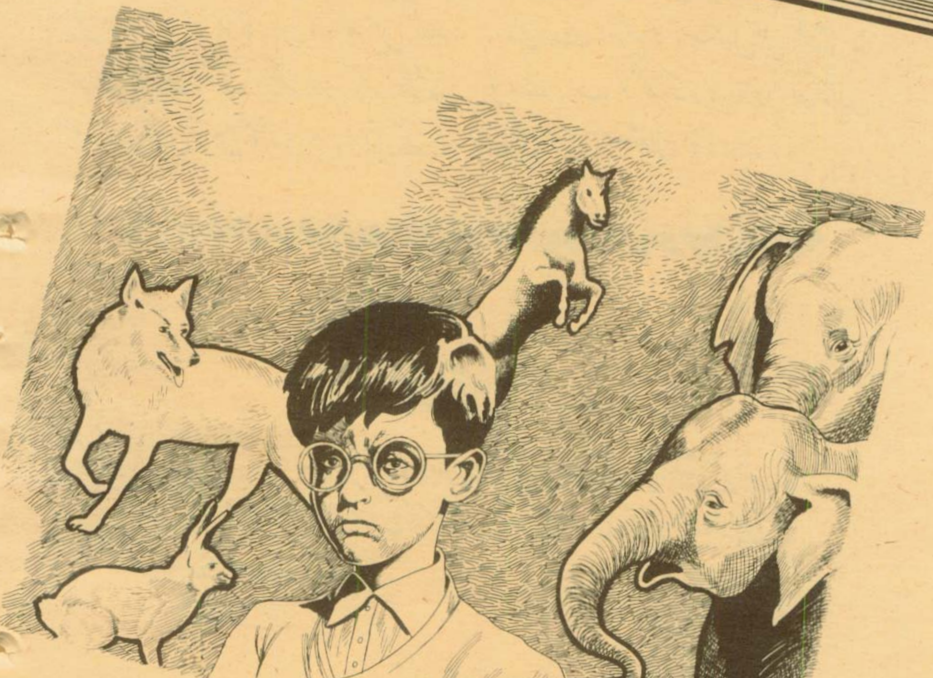

وہ کونسی صلاحیت ہے جو "بھلچک بھیّا" میں نہ ہو ؟
یہ شاعر اور ادیب بھی ہیں تو صحافی اور دانشور بھی۔
ایک طرف اچھے آرٹسٹ ہیں تو دوسری طرف ابن بطوطہ کی طرح مشہور سیاح بھی ...
اسی طرح دیگر بہت سی صلاحیتیں بھی ان میں سمائی ہوئی ہیں .... بس اگر گڑبڑ ہے تو اتنی سی کہ
انہیں بھولنے کی عادت ہے بلکہ اس قدر بھولتے ہیں کہ اکثر واقعات کو گڈمڈ کر دیتے ہیں اور
ان کی تحریروں کو پڑھنے والا اپنا سر پیٹ لیتا ہے۔
آنکھ مچولی کے پہلے شمارے کے لئے بھلچک بھیّا نے ایک نظم ہمیں بھجوائی ہے، یہ
نظم انہوں نے جنگل میں جانوروں کی ایک پکنک دیکھنے کے بعد لکھی تھی.. ذرا دیکھئے تو کیا
حشر کیا ہے اس نظم کا —

دن تو تھا وہ جنگل کا
اور سماں تھا منگل کا
پکنک تھی یا شادی تھی
یاد نہیں ہم کو کچھ بھی
ہم کو تو بس یاد ہے اتنا
طرح طرح کی خلقت تھی
مور تھے کالے پر والے
کوّے نیلے سر والے
طوطا مینا بھی آئے
ساتھ میں ہُدہُد کو لائے
کتے بلی گھوڑے تھے
لیکن تھوڑے تھوڑے تھے
چھوٹا سا خرگوش بھی تھا
بندر کو کچھ ہوش نہ تھا
بطخوں کی ملکہ آئی
پھولوں کا زیور پہنے
تیتر اور بٹیر بھی تھے
گیدڑ تھے کچھ شیر بھی تھے
سب نے مل کر شور مچایا
اپنا اپنا گانا گایا
بلی بولی ٹیں ٹیں ٹیں
کوّا بولا میاؤں میاؤں
کتّا بھونکا کیں کیں کیں
چڑیوں نے یہ گانا گایا
ڈھینچوں ڈھینچوں ڈھینچوں
طوطے اڑتے اڑتے آئے
گیت خوشی کے گاتے آئے
گٹرّوں کوں بھئی گٹرّوں کوں
گٹرّوں کوں بھئی گٹرّوں کوں

الکوپ
المونیم کا زمانہ
الکوپ
alcop
المونیم کمپنی آف پاکستان انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
— ایک ادارہ پاکستان کی ترقی میں پیہم کوشاں
هیڈ آفس: میریٹ روڈ - کراچی
فون: ۲۲۳۸۵۱ - ۲۳۳۰۶۸ - ۲۲۴۸۸۵ - ۲۲۱۷۲۸ - ٹیلکس: ALCOP Pk ۲۵۷۱۳ - کیبل: EXTRUSIONS
لاهور ریجنل آفس: ۲۱ عابد مجید روڈ، لاہور کینٹ - فون: ۳۷۲۶۸۱
راولپنڈی ریجنل آفس: رحیم پلازہ، ۱۱۳ مری روڈ - فون: ۶۴۹۲۱
MASS

پیارے پاکستان

اقبال حیدر

تُو ہے خوشبو تُو ہے اُجالا
تُو آزادی کا متوالا
میرے وطن تُو سب سے اعلا
تجھ پر ہم قربان
پیارے پاکستان

تُو دنیا میں سب سے حسیں ہے
تجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے
تیری زمیں تو خُلدِ بریں ہے
یہ اپنا ایمان
پیارے پاکستان

تیری شان اور تیری شوکت
سب کے دلوں میں تیری چاہت
تجھ پر ہے اللہ کی رحمت
تُو ہے سب کی جان
پیارے پاکستان

فتح و ظفر قدموں پر تیرے
ہو جائیں خود بڑھ کے صدقے
اللہ عزت اور بھی بخشے
تو اپنی پہچان
پیارے پاکستان

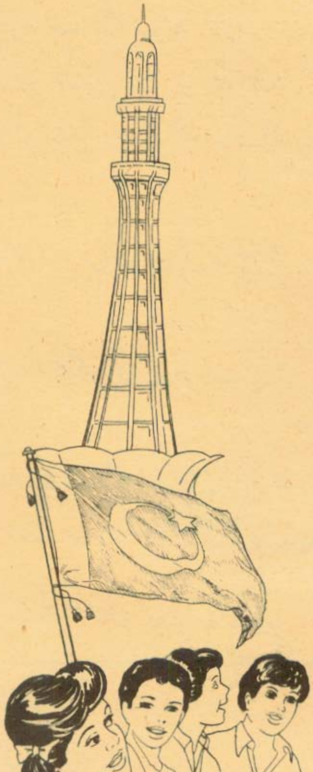

آپ بھی لکھیں . . . مگر

یہ رسالہ آپ ہی جیسے ننھے منّے ساتھیوں کی تحـــریروں سے سجا ہوا ہے تو پھر کیوں نا آپ بھی اپنے رسالے کے لئے کچھ لکھیں ؟ ... فوراً قلم کاغذ اٹھائیے اور جلدی سے کوئی کہـــانی، نظم، مضمون، واقعہ، لطیفہ یا کوئی سی بھی شگفتہ تحریر لکھ بھیجیں۔ مگر چند باتوں کا خیال ضرور رکھیں۔

(۱) تحریر آپ کی اپنی ہو اچھے بچّے نقل نہیں کرتے .. ٹھیک ہے نا۔

(۲) تحریر کاغذ کے ایک جانب ایک سطر چھوڑ کر صاف اور خوش خط لکھیں۔

(۳) اقوال زریں یا معلومات عامہ سے متعلق اگر آپ کوئی چیز بھجوانا چاہتے ہوں تو اس کا حوالہ ضرور لکھیں کہ وہ تحریر آپ نے کس کتاب سے لی ہے ؟ ... بغیر حوالے کے ایسی کوئی چیز شائع نہیں کی جائے گی۔

(۴) اگر آپ کے کچھ دوست بھی بچّوں کے لئے اچھی تحریریں لکھ لیتے ہیں تو انہیں بھی "آنکھ مچولی" میں لکھنے کی دعوت دیجیے۔

(۵) جن تحریروں میں نیا پن اور دلچسپی ہوگی ہم انہیں انعام بھی دیں گے اور آپ کے نام اور پتے کے ہمراہ شائع بھی کریں گے۔

اگر آپ "قلمی دوستی" میں دلچسپی رکھتے ہیں تو نیچے دیئے ہوئے کوپن کو پُر کر کے بھجوادیں ... کوپن کے ہمراہ آپ کی (بلیک اینڈ وہائٹ پاسپورٹ سائز) تصویر آنا بھی ضروری ہے۔

آپ چاہیں تو اس کوپن کی فوٹو اسٹیٹ کاپی کسی دوست کو استعمال کے لئے دے سکتے ہیں۔

نام ـــــــــــــ عمر ـــــــــــــ کلاس ـــــــــــــ

مشاغل ـــــــــــــ بڑے ہو کر کیا بننا چاہتے ہیں ـــــــــــــ

اسکول میں پسندیدہ مضمون ـــــــــــــ

پتہ ـــــــــــــ

محمد سلیم مغل

آتش فشاں زمین کے غصّے کا اظہار

آپ نے پریشر ککر میں کھانا پکتا ہوا تو دیکھا ہوگا. جلتے ہوئے چولہے پر رکھا ہوا پریشر ککر ایک خاص وقت تک تو آگ کی حدّت برداشت کرتا رہتا ہے مگر جب بہت زیادہ تپش کی وجہ سے ککر میں موجود پانی یا دیگر اشیاء بھاپ کی شکل اختیار کرنے لگتی ہیں تو اس بھاپ کا دباؤ خطرناک حد تک بڑھ جاتا ہے۔

پریشر ککر میں دباؤ کو برداشت کرنے کی زیادہ سے زیادہ قوت ساڑھے تین کلوگرام فی مکعب انچ ہوتی ہے مگر یہ دباؤ اس سے زیادہ بڑھ جائے تو پریشر ککر پھٹ بھی سکتا ہے جو یقیناً بڑے نقصان کا باعث ہو سکتا ہے. اس خطرے کو ختم کرنے کے لئے پریشر ککر پر سیفٹی والو لگائے جاتے ہیں تاکہ پریشر بڑھنے کی صورت میں سیفٹی والو اڑ جائے اور بھاپ باہر نکل جائے..

زمین بھی ایک طرح کا پریشر ککر ہے جس کے اندر ہر وقت ایک لاوا کھولتا رہتا ہے اور جب کسی وجہ سے لاوے سے اٹھنے والی بھاپ کا پریشر بہت بڑھ جاتا ہے تو پھر یہ لاوا بھی زمین کے کسی نرم حصّے کو چیرتا پھاڑتا ہوا باہر آ جاتا ہے. زمین کا یہی نرم حصّہ گویا آتش فشاں بھی ہے اور زمین کا سیفٹی والو بھی ہے۔

ہم "آتش فشاں" کی تعریف یوں بھی کر سکتے ہیں کہ "زمین کا وہ نرم حصّہ جہاں گرم اور سیال مادہ پھوٹ کر اوپر آ جائے اور دہانے کے چاروں طرف لاوے کی تہیں جم جانے سے مخروطی شکل اختیار کر لے" آپ یقیناً سوچ رہے ہوں گے کہ یہ "لاوا" کیا بلا ہے؟ جو زمین سے نکلتا ہے اور بستیاں اجاڑتا، انسانوں کو لقمۂ اجل بناتا، اور یوں گویا تباہی مچاتا ہوا بہتا چلا جاتا ہے۔ "لاوا" دراصل زمین میں موجود مختلف اشیاء کے پگھلے ہوئے مرکّب نام ہے.. اس کی مزید وضاحت یوں کی جا سکتی ہے کہ کروڑوں سال قبل جب زمین سورج سے علیحدہ ہوئی تھی تو لاوے کا ایک گولا تھی. لاوا دراصل مٹی کا پگھلا ہوا روپ ہوتا ہے. اس میں ہر طرح کی دھاتیں اور چٹانیں ملی ہوئی ہوتی ہیں، یہ پگھلے ہوئے کو لتار کی طرح ہو جاتا ہے اور ٹھنڈا ہونے پر پھر مٹی اور چٹان بن جاتا ہے... تو لاوے سے بنی ہوئی زمین سورج سے علیحدہ ہوئی اور خلا میں گھومنے لگی اور بیرونی ٹھنڈک کی

وجہ سے اس کے اوپر کی تہہ سخت ہو کر مٹی بنتی گئی مگر اندر لاوا موجود رہا، آج بھی زمین کے اندر بے حد و حساب لاوا موجود ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ زمین کی سطح ٹھنڈی ہونے کی وجہ سے بہت موٹی ہو چکی ہے لاوا بننے، کھولنے اور پھوٹ کر بہہ نکلنے کا عمل آج بھی جاری ہے اور اس کے مختلف اسباب ہیں ... پہلی بڑی وجہ تو خود زمین کے اندر کا درجۂ حرارت ہے جو اس قدر شدید ہے کہ وہ سخت چٹانوں کو بھی پگھلا دیتا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی گیسیں اور بعض معدنی اجزاء اس کو کھولتا رکھنے میں مدد دیتے ہیں جن میں کاربن ڈائی آکسائیڈ، ہائیڈروجن، سلفائیڈ اور گندھک وغیرہ شامل ہیں اس لاوے میں پتھریلی چٹانیں بلکہ لوہا تک مل کر پگھل جاتا ہے اور یوں گویا اتنی بہت ساری چیزوں کا کھولتا ہوا مرکب لاوا کہلاتا ہے جو کبھی کبھار زمین کی بیرونی سطح پر نکل آتا ہے لاوے کے باہر نکلنے کی وجہ وہ دباؤ ہے جو اکثر و بیشتر اُس پر پڑتا ہے .. لاوے پر دباؤ کئی وجہوں سے پڑتا ہے .. اوّل تو لاوا خود ہی ابلتا رہتا ہے اور اس میں گیس بنتی رہتی ہے دوسرا جب زمین کے اوپر کا سمندری پانی یا بارش کا پانی رِس رِس کر لاوے تک پہنچتا ہے تو گرم لاوا اسکو بھاپ میں تبدیل کر دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ بھاپ کو تو باہر نکلنے کے لئے راستہ چاہیے ہی سو بھاپ یہ راستہ زمین کے نرم حصّے میں تلاش کرتی ہے اور اُسے پھاڑتی ہوئی باہر آجاتی ہے۔ بھاپ باہر آتی ہے۔ تو بھاپ کے ساتھ کھولتا ہوا لاوا بھی باہر آجاتا ہے ...

آپ نے دیکھا ہوگا کہ عام انسانوں میں بھی اگر کسی پر ظلم اور زیادتی کا دباؤ ایک حد سے بڑھ جائے تو وہ بھی آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور پھر اس کا غصّہ کسی نہ کسی طور ظاہر ہونے لگتا ہے ... توڑ پھوڑ ڈانٹ ڈپٹ یا مار پیٹ وغیرہ یہ سب انسان کے غصّے کا اظہار ہیں۔

یہ ایک طرح سے اچھا ہی ہے کہ غصّہ اتارنے کے لئے انسان اس طرح کی حرکتیں کر ڈالتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو یہ غصّہ اندر ہی رہ جائے اور انسان کے اعصاب کو تباہ کر دے اور انسان پاگل ہو جائے۔ بالکل اسی طرح آتش فشاں بھی زمین کے غصّے کے اظہار ہیں اگر آتش فشاں نہ پھٹیں تو کیا معلوم یہ لاوا بھی اندر ہی اندر کھولتا رہے اور اس کا دباؤ اس قدر بڑھ جائے کہ زمین غبارے کی طرح کہیں سے بھی پھٹ جائے شہر کے شہر تباہ ہو جائیں اور زمین پر قیامت صغریٰ بپا ہو جائے اس طرح گویا آتش فشاں کا پھٹنا ایک لحاظ سے اچھا ہی ہے۔

ہم نے عموماً بہت سے پہاڑوں کے نام آتش فشاں کے حوالے سے سنے ہیں۔ آیئے ان کا جائزہ لیں،

آتش فشاں پہاڑ بھی بظاہر دوسرے پہاڑوں کی طرح ہی ہوتے ہیں مگر ان میں ایک سرنگ ہوتی ہے جو زمین کی گہرائی میں عموماً سینکڑوں میل دور اس مقام تک چلی جاتی ہے جہاں لاوا اُبل رہا ہوتا ہے۔

لاوے سے نکلنے والی گیس اور بھاپ عموماً اسی سرنگ کے راستے سے ہوکر آتش فشاں پہاڑ کے منہ سے باہر نکلتی رہتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ بھاپ ہی وہ بنیادی اور محترک قوت ہے جو دوسرے مادوں اور گیسوں کو زور سے باہر دھکیلتی ہے۔ ان مادوں میں سلورین اور گندھک اور گیسوں میں کاربن ڈائی آکسائڈ عام ہیں بعض گیسیں انتہائی زہریلی بھی ہوتی ہیں۔ آتش فشاں پہاڑوں کی عموماً تین قسمیں گنوائی جاتی ہیں۔

۱۔ **زندہ پہاڑ**:۔ یہ پہاڑوں کی وہ قسم ہے جن میں سے اکثر لاوا بہہ کر نکلتا رہتا ہے۔ دنیا میں اس قسم کے تقریباً تین سو پہاڑ موجود ہیں جن میں سسلی کا "اٹینا" اور اٹلی کا "ویسوریس" زیادہ مشہور ہیں۔ دنیا کے زندہ آتش فشاں پہاڑوں میں سب سے اونچا "کوٹوپیکسی" ہے جس کی بلندی ۱۹،۶۱۲ فٹ ہے۔

۲۔ **خفتہ پہاڑ**:۔ یہ عموماً ایسے پہاڑ ہوتے ہیں جن سے طویل مدّت تک لاوا نہیں نکلتا اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اب یہ پہاڑ مردہ ہوچکا ہے۔ اسی غلط فہمی میں پہاڑ کے اطراف انسان بستیاں بنا کر رہنے لگتا ہے۔ کاشتکاری کرنے لگتا ہے اور پھر اچانک یوں ہوتا ہے کہ پہاڑ کا دھانہ پھٹتا ہے اور لاوا بہہ نکلتا ہے جس سے بستیاں اجڑ جاتی ہیں۔ اٹلی کا مشہور شہر "پامپی آئی" اسی طرح کے آتش فشاں سے تباہ ہوا تھا۔

۳۔ **معدوم یا مردہ آتش فشاں پہاڑ**:۔ یہ وہ پہاڑ ہیں جن سے کبھی لاوا نکلا کرتا تھا، اب نہیں نکلتا اور نہ مزید نکلنے کی توقع ہے ایسے پہاڑوں کے دھانوں میں پانی بھر جاتا ہے اور یہ جھیل کی شکل اختیار کرلیتی ہیں۔ کوہ سلطان ایسے ہی پہاڑوں میں سے ایک ہے۔ جاپان کا مشہور "فوجی پہاڑ" بھی ایسا ہی مردار آتش فشاں پہاڑ ہے جو آج دنیا بھر کے سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دھانے سے بہنے والا لاوا پہاڑ کی شکل اختیار نہیں کرتا بلکہ زمین کی درزوں میں سے نکل کر زمین پر پھیل جاتا ہے اور زمین وہاں ایک نئی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ بھارت کے مشہور علاقے دکن کی زمین بھی ایسے ہی لاوے سے بنی تھی۔

آتش فشاں پہاڑ دنیا میں ایک ترتیب سے پھیلے ہوئے ہیں، عام طور پر ان کا سلسلہ سمندر کے نزدیک پایا جاتا ہے۔ جنوبی امریکہ میں ان پہاڑوں کا سلسلہ کوہِ انڈیز سے شروع ہوکر وسطی امریکہ تک چلا گیا جزائر فلپائن، فارموسا، جاپان، انڈونیشیا اور نیوگنی تک یہ سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ جزائر فلپائن اور نیوزی لینڈ سے بحرِ منجمد شمالی تک اور اوقیانوس میں آئس لینڈ سے جزیرہ سینٹ ہلینا تک آتش فشاں پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔

دنیا میں جتنے بھی آتش فشاں پھٹتے ہیں ان میں سے ۶۲ فیصد بحرالکاہل کے قرب و جوار میں پھٹتے ہیں، ان میں سے ۴۵ فی صد تو سمندر میں موجود جزیروں میں پھٹتے ہیں جبکہ ۱۷ فی صد شمالی اور جنوبی امریکہ میں موجود پہاڑوں کے مغربی حصّوں میں ہوتے ہیں۔

دنیا کے دیگر خطوں میں پھٹنے والے آتش فشاں عموماً ۱۴ فیصد انڈونیشیا ۷ فیصد بحرالکاہل ایک فیصد بحراوقیانوس تین فیصد وسطی بحرالکاہل، ۱۳ فیصد بحراوقیانوس اور بقیہ ۷ فیصد بحرِروم کے قرب و جوار میں پھٹتے ہیں۔

یہ پہاڑ جب آتش فشانی کرتے ہیں تو ان کا لاوا نہ صرف بستیوں کو تباہ اور انسانوں کو لقمۂ اجل بنا دیتا ہے بلکہ اس کی آواز سینکڑوں میل تک سنی جاتی ہے اور بہنے والے مادے کو زمین پر بیٹھنے اور جمنے میں کم از کم ایک سال کا عرصہ مزید لگ جاتا ہے، ۱۸۸۳ء میں جاوا کے مشرق میں "کراکاٹوا" نامی آتش فشاں جزیرے کے پھٹنے سے اتنا شور ہوا کہ شاید ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے گرنے سے بھی اس قدر شور نہ ہو۔ کراکاٹوا کے پھٹنے کی آواز دو ہزار میل دور آسٹریلیا تک گئی۔ دھماکے کی آواز نے سات مرتبہ پورے کرۂ ارض کا چکر لگایا تب کہیں جاکر ختم ہوئی۔ اس حادثے میں ۳۶ ہزار انسانی جانیں تلف ہوئیں۔

آتش فشاں کے پھٹنے سے اب تک ہونے والے نقصانات کا ٹھیک اندازہ لگانا تو مشکل ہے البتہ کہا جاتا ہے کہ سنہ ۱۵۰۰ء سے لے کر سنہ ۱۹۱۴ء تک آتش فشاں کے باعث تقریباً ایک لاکھ نوے ہزار انسانی جانیں تلف ہوچکی ہیں۔ آتش فشاں کے برے اثرات بھی انسانی جانوں کے لئے خطرناک ثابت ہوسکتے ہیں ۱۷۸۳ء میں LAKI کے مشہور آتش فشاں پھٹا تو تقریباً دس ہزار افراد فقط اس کے برے اثرات سے بیمار ہوکر مر گئے۔ جاپان کے ایسے ہی ایک آتش فشاں UNZEN DAKE کے پھٹنے سے دس ہزار چار سو باون جانیں تلف ہوگئی تھیں۔

آتش فشاں کی جغرافیائی تقسیم دیکھنے کے بعد ہم اس نتیجے پہ پہنچے ہیں کہ آتش فشاں کے رقبے عموماً ان علاقوں میں پائے جاتے ہیں جو سمندر کے قریب ہیں اور جہاں زمین اوپر کو ابھری ہوئی ہے۔ ویسے بہ حیثیت مجموعی زمین کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جہاں ماضی میں کبھی نہ کبھی آتش فشاں کا عمل نہ ہوا ہو آج ہم جزائر برطانیہ کو دیکھتے ہیں تو ایسا محسوس کرتے ہیں کہ شاید یہاں کبھی آتش فشاں کا عمل نہ ہوا ہوگا حالانکہ یہاں طویل مدت تک شدید اور مسلسل آتش فشاں قیامت ڈھاتی رہی اور اس قطع زمین کو زیر وزبر کرتی رہی۔

دنیا بھر میں بھڑکتے اور زندہ آتش فشانوں کا اجتماع "جزائر انڈونیشیا" ہے، یہاں پر انسانی تاریخ کے آغاز سے لے کر اب تک تقریباً ۸۰ آتش فشاں پھٹ چکے ہیں.. بعید نہیں کہ یہ آتش فشاں کسی بھی روز پھٹ جائیں اور ان کا لاوا اس علاقے میں کسی بڑے نقصان کا باعث بن جائے۔ ان میں سب سے مشہور مرکزی جاوا کا آتش فشاں "میراپی" ہے جسے وہاں کے لوگ "آتشیں پہاڑ" کہتے ہیں۔

آتش فشاں یوں تو بہت نقصان پہنچاتے ہیں مگر ان کے بے شمار فوائد بھی ہیں، ایک بہت بڑے فائدے کا ذکر تو ہم کر ہی چکے ہیں کہ اگر دنیا میں آتش فشاں نہ ہوں تو زمین غبارے کی طرح ایک دھماکے سے پھٹ جائے۔

آتش فشاں سے نکلنے والا لاوا زمین کو نئی زرخیزی اور قوت عطا کرتا ہے جو انسانوں کے لیے بے حد فائدہ مند ہے۔ — "چھاواں" نامی پتھر بھی اس لاوے سے وجود میں آتا ہے..

یہ قدرت کا عجیب نظام ہے کہ جو آتش فشاں زمین پر قہر وغضب ڈھاتے ہیں، وہی زمین اور زمین پہ بسنے والوں کو ان گنت فوائد بھی پہنچاتے ہیں، زمینی تغیرات اور تبدیلیوں میں آتش فشاں کا بڑا حصہ ہے۔ دنیا میں اکثر زلزلے بھی اس آتش فشاں کی وجہ سے آتے ہیں .... آتش فشاں کے علاقوں میں انسان نے زمین کی اندرونی حرارت کو جس سے زلزلے آتے ہیں مختلف نوعیت کی مشینیں چلانے کے لئے بھی استعمال کیا ہے۔ اس قسم کے تجربات کیلی فورنیا (امریکہ) جاوا (انڈونیشیا) اور ٹسکنی (اٹلی) میں کئے گئے ہیں اور ان پر تحقیق جاری ہے۔ اکثر زلزلوں کا محرک بھی آتش فشاں ہوتے ہیں مگر "زلزلے" کا موضوع اپنی جگہ ایک علیحدہ اور تفصیلی مضمون کا متقاضی ہے۔ اس لئے اس موضوع پر معلوماتی مضمون ہم آئندہ کسی شمارے میں شائع کریں گے۔

توانائی کھیل کود میں
توانائی ورزش میں
توانائی بھاگ دوڑ میں

توانائی کی ضرورت لمحہ بہ لمحہ

یعقوب انرجی فوڈ بسکٹ سے توانائی بھی اور لذّت بھی

YBF TRADE MARK

یعقوب بسکٹ فیکٹری۔ سکھر

Orient

نظر دوڑائیے

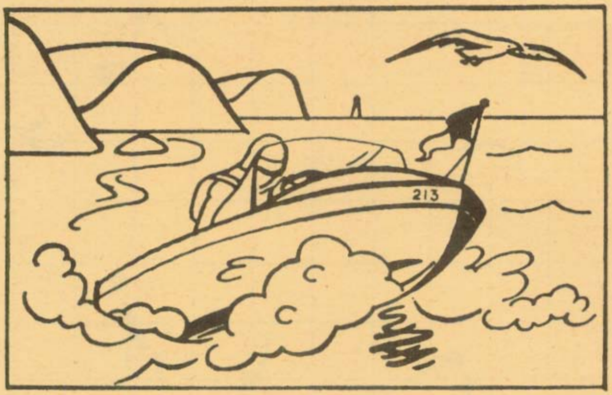

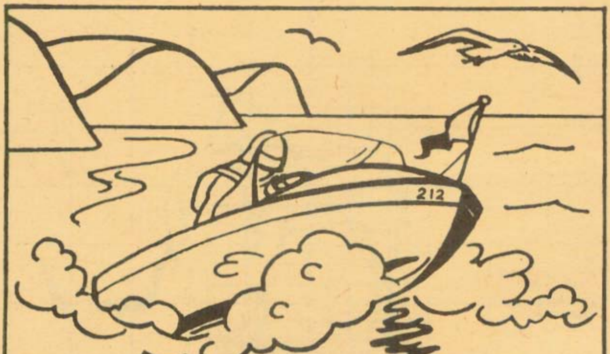

یہ دونوں تصاویر بظاہر یکساں ہیں مگر ان میں کچھ فرق بھی ہیں جو پہلی
نظر میں معلوم نہیں ہوتے . . اگر آپ چار منٹ کے اندر اندر یہ فرق ڈھونڈ نکالیں تو
ہم آپ کو "ذہین" مان لیں گے۔

آئیے بنیں "آرٹسٹ"

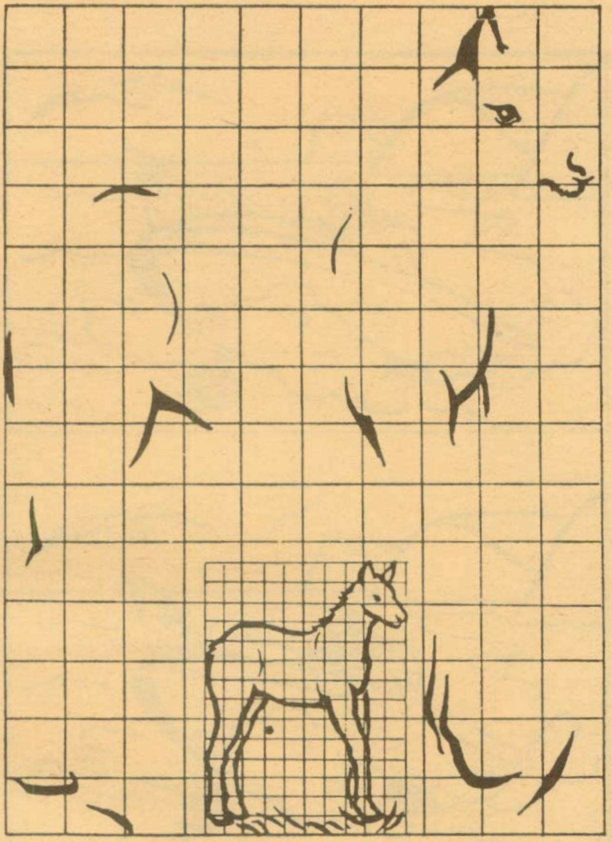

گھوڑے کو بغور دیکھئے اور انہی لائینوں کی مدد سے بڑے خانے میں اس طرح کا گھوڑا بنائیے ... ڈرائنگ سیکھنے کا یہ بنیادی اصول ہے

بدلہ

خلیق انجم اشرفی

جاڑے کے دن تھے اور رات کا وقت۔ ہم لوگ لحافوں میں سکڑے سمٹے پڑے تھے۔ اسٹوو پر چائے کا پانی سنسنا رہا تھا اور رعنا ابّا جان سے کہانی سنانے کی ضد کر رہی تھی۔ آخر ابّا جان کو اس کی ضد کے آگے ہار ماننی ہی پڑی۔ گرم گرم چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے انہوں نے کہنا شروع کیا۔

"اچھا تو لو بیٹی، آج ایک سچی کہانی سنو، بالکل آنکھوں دیکھی۔"

اتنا سُن کر ہم لوگوں کا اشتیاق بڑھ گیا اور ہم سب پوری طرح ابّا جان کی طرف متوجہ ہوگئے۔ وہ تھوڑی دیر رُک کر کہنے لگے۔

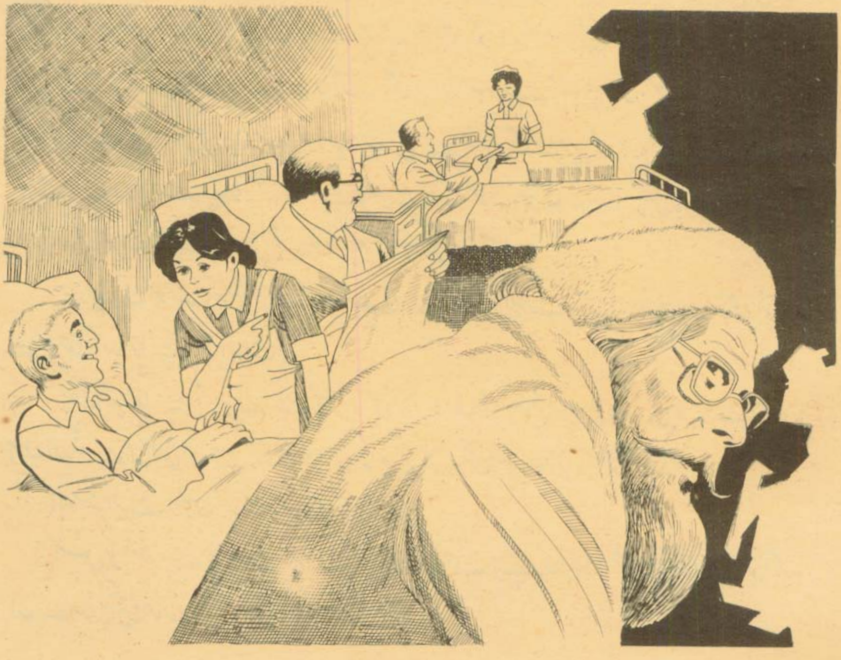

"جیسا کہ تم لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے، میں بھی دوسری جنگ عظیم میں شرکت کر چکا ہوں اُن دنوں ہماری فوج مصر میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی۔ ایک دن جرمن سپاہیوں سے مقابلے میں زخمی ہونے کے بعد مجھے مصر کے فوجی ھسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔ ان دنوں فوجی ھسپتال زخمیوں اور بیماروں سے بھرے رہتے تھے۔ میں جس کمرے میں تھا اس میں میرے علاوہ تین مریض اور بھی تھے۔ میرے بستر کے پاس ہی ایک انگریز فوجی افسر البرٹ کا بستر تھا۔ اسے دمے کا مرض تھا۔ دمے کی اس تکلیف کی وجہ سے اور کچھ اپنی سخت مزاجی کی وجہ سے وہ بہت چڑچڑا ہو گیا تھا۔ ہماری تیمارداری ایک ہنس مکھ نرس جوزیفائن کرتی تھی۔ غصہ میں تو اسے کبھی دیکھا ہی نہیں ہر وقت فرشتوں جیسی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیلتی رہتی۔ وہ صرف اپنی ڈیوٹی ہی پوری نہیں کرتی تھی بلکہ مریضوں کو لطیفے اور دلچسپ واقعات سنا کر ان کے مرض کی تکلیف اور دُکھ کے احساس کو کم کرنے کی بھی کوشش کرتی۔ تمام مریض اس سے بے حد خوش تھے۔ ناخوش تھا تو وہ فوجی افسر البرٹ جو ہر ایک سے غصّے

میں چیخ کر بات کرنے کا عادی ہو چکا تھا۔ وہ بات بات پر جوزیفائن کو جھڑک دیا کرتا مگر اس خوش اخلاق نرس کے ماتھے پر بل نہ آتا بلکہ وہ اس کی خدمت کرتی کیونکہ وہ اس کے چڑچڑے پن کی وجہ سے واقف تھی۔ میرا زخم بہت معمولی تھا۔ میں جلد ہی اچھا ہو گیا جس دن مجھے ڈسچارج ہونا تھا، جوزیفائن صبح سے ضروری خانہ پری میں مصروف تھی ــــ البرٹ نے اسے دو دفعہ پکارا مگر وہ اپنے کام میں اتنا کھوئی ہوئی تھی کہ اس کی بات نہ سُن سکی۔ یہ دیکھ کر البرٹ جھنجلا گیا اور چیخ کر بولا "بہری ہو گئی ہے کیا۔"؟

جوزیفائن چونک کر مڑی اور پھر جلدی سے دوڑ کر البرٹ کے پاس پہنچی اور بڑی نرمی سے پوچھا "کیا چاہیئے مسٹر البرٹ؟"

"ہوں کیا چاہیئے!" البرٹ غصے میں اسی کے الفاظ دہراتا ہوا بولا: "اتنی دیر سے چیخ رہا ہوں اور تو ہے کہ سنتی ہی نہیں" نرس کو اس کی بدتمیزی پر بھی غصہ نہ آیا، مسکرا کر بولی۔

"اوہ مسٹر البرٹ! میں ذرا کام کر رہی تھی۔"

اس کی مسکراہٹ پر البرٹ بھڑک اٹھا اور اچانک نیچے رکھا ہوا شیشے کا اگالدان اٹھا کر اس کے منہ پر کھینچ مارا۔

"بیچاری نرس" رعنا بولی۔
"بھئی بولو مت! اس طرح کہانی کا مزہ کرکرا ہو جاتا ہے۔" میں نے اسے منع کیا اور ابّا جان کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "پھر کیا ہوا؟"
"پھر جیسے رعنا نے کہا۔ بیچاری نرس کا سارا چہرہ خون اور تھوک سے تر ہو گیا۔ شیشے کے لگنے سے پیشانی پر بڑا سا زخم ہو گیا اور اس سے خون بہہ بہہ کر اُس کے چہرے کو بھگونے لگا یہ واقعہ کچھ ایسے اچانک پیش آیا کہ میں کچھ نہ کر سکا۔ یہ دیکھ کر میں نے سوچا کہ اب یا تو جوزیفائن البرٹ کو غصے میں یقیناً کچھ کھینچ مارے گی ورنہ ڈاکٹر سے شکایت کر کے اس کو کچھ سزا تو ضرور ہی دلوائے گی مگر اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ جوزیفائن کے چہرے پر ایک شکن نمودار ہونے کے بعد پھر وہی فرشتوں جیسی مسکراہٹ کے ساتھ بولی "ارے مسٹر البرٹ! آپ تو خفا ہو گئے چلیئے زیادہ غصہ نہ کیجیے ورنہ آپ کو پھر کھانسی کا دورہ پڑ جائے گا۔"
یہ کہہ کر وہ مسکراتی ہوئی غالباً منہ دھونے اور زخم کی ڈریسنگ کرنے چلی گئی۔ میں دم بخود بستر پر بیٹھا جوزیفائن کے کردار کی بلندی پر غور کر رہا تھا اور البرٹ بالکل ہکّا بکّا سا چھت کو تکے جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب جوزیفائن سر پر سفید پٹی باندھے کمرے میں داخل ہوئی تو البرٹ اچانک بستر سے اُتر کر جوزیفائن کے قدموں پر گر پڑا اور رو کر کہنے لگا "سسٹر مجھے معاف کر دو۔" میں غصے میں اندھا ہو گیا تھا۔ تم بہت بلند ہو سسٹر اور میں بہت بدتمیز آدمی ہوں۔ مجھے معاف کر دو سسٹر۔"
جوزیفائن کے چہرے پر پھر وہی فرشتوں جیسی مسکراہٹ آ گئی جیسے وہ اپنی انسانیت اور انتقام کے بدلے معاف کر دینے پر نازاں ہو۔ جیسے وہ انسانیت کی اس جیت پر بہت خوش ہو۔ اس نے آہستگی سے البرٹ کو شانوں سے اٹھا کر کھڑا کر دیا اور بڑے نرم لہجے میں بولی۔ "میں نے تمہیں معاف کر دیا میرے بھائی!" یہ سُن کر البرٹ کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی اور میں اس منظر سے متاثر ہو کر کھڑکی سے پارک میں کھیلتے ہوئے معصوم بچوں کو دیکھنے لگا جن کے چہروں پر فرشتوں جیسا بھولا پن تھا اور جن کے ہونٹوں پر جوزیفائن جیسی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔"
اتنا کہہ کر ابّا جان نے ایک لمبی سانس لی اور دوسری طرف کروٹ بدل لی۔ ہم لحافوں میں دبکے جوزیفائن کے کردار کی بلندی پر غور کر رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ ہمارے ساتھ ایسا واقعہ پیش آئے تو ہم کیا کریں گے؟ بدلہ لینا پسند کریں گے یا معاف کر دیں گے۔

خصوصی بچت اسکیم دوہرا فائدہ

ماہنامہ "آنکھ مچولی" کے ۱۲ شماروں کی سالانہ قیمت (مع خصوصی شمارے اور رجسٹری خرچ) ۱۳۰ روپے ہوتی ہے لیکن اگر آپ ہماری **خصوصی بچت اسکیم** کے تحت یہ ماہنامہ منگوائیں گے تو آپ کو دو فائدے ہوں گے۔

(۱) ۱۳۰ روپے کے بجائے ۱۲ شماروں کی قیمت صرف ۸۵ روپے ادا کرنی ہوگی اس طرح آپ کو ۴۵ روپے کی خصوصی بچت ہوگی۔

(۲) آنکھ مچولی کے حصول کے لئے آپ ہر طرح کی زحمت سے بچ جائیں گے اور گھر بیٹھے ہر شمارہ مارکیٹ میں آنے سے قبل آپ کو بذریعہ رجسٹری ارسال کردیا جائیگا،

یہ کوپن پُر کر کے اور مبلغ ۸۵ روپے کا منی آرڈر یا بنک ڈرافٹ ہمیں نیچے دیئے ہوئے ایڈرس پر بھجوادیئے۔ ہم آنکھ مچولی کا شمارہ باقاعدگی سے بھجوانا شروع کردیں گے۔

مجھے ماہنامہ آنکھ مچولی **خصوصی بچت اسکیم** کے تحت بھجوانا شروع کردیں
میں مبلغ ۸۵ روپے بذریعہ منی آرڈر / بنک ڈرافٹ بھجوا رہا ہوں / رہی ہوں
نام ______________ تاریخ ______________
پتہ ______________ دستخط ______________

ماھنامہ آنکھ مچولی۔کراچی۔گرین گائیڈ اکیڈمی - ۱۱۲ ڈی سائٹ کراچی نمبر ۱۶

تحفہ ایسا ہو جو ہمیشہ یاد رہے

کیا آپ اپنے دوست کی سالگرہ پر یا اس کی امتحان میں کامیابی پر یا کسی اور تقریب کے موقع پر ایسا تحفہ دینا چاہتے ہیں جو اُسے ہمیشہ یاد رہے ؟

تو پھر لیجئے ، یہ مسئلہ ہم حل کئے دیتے ہیں۔

آپ نیچے دیئے ہوئے کوپن میں اپنے دوست کا نام۔ تاریخ پیدائش اور دیگر کوائف لکھ کر مبلغ ۵۰ روپے کے منی آرڈر کے ساتھ ہمیں بھجوا دیجئے۔ آپ جس تاریخ کو بھی چاہیں گے۔ یہ تحفہ اُسی تاریخ کو آپ کی طرف سے آپ کے دوست کو پہنچ جائے گا۔ یہ تحفہ دراصل مبارکباد کے ایک خوبصورت کارڈ کے ساتھ آپ کا پسندیدہ ماہنامہ "آنکھ مچولی" ہوگا جو ایک سال کے لئے ہر ماہ باقاعدگی سے آپ کے دوست کو پہنچتا رہے گا۔

کارڈ پر آپ کے نام کے ساتھ مبارکباد کا پیغام بھی لکھا ہوا ہوگا ، اس طرح اچانک یہ تحفہ دیکھ کر آپ کا دوست حیران بھی ہوگا اور خوش بھی ، مزید یہ کہ ہر ماہ "آنکھ مچولی" آپ کے دوست کو آپ کی اور آپ کے تحفے کی یاد دلاتا رہے گا۔

کہئے کیسا لگا یہ تحفہ ؟

۱ دوست کا نام مع ولدیت ______

۲ تاریخ پیدائش ______

۳ کلاس ، اسکول ______

۴ تقریب کی نوعیت ______

۵ دوست کا پوسٹل ایڈریس ______

______

۱ آپ کا نام مع ولدیت ______

۲ کلاس ، اسکول ______

۳ آپ کا پوسٹل ایڈریس ______

۴ کوئی خاص بات جو آپ کی طرف سے کارڈ پر آپ کے دوست کو لکھوانا مقصود ہو ______

آپ کے دستخط ______

منی آرڈر اور کوپن اِس پتے پر بھجوائیے۔ گرین گائیڈ اکیڈمی۔ (گفٹ اسکیم) ۲/۱۱۱ ڈی ، سائٹ کراچی ۱۶

تواضع کے بہتر آداب
- آپ کا بہترین انتخاب
فریش ویل سوئٹیس
فریش ویل سوئٹیس ہماری تہذیبی
قدروں کا ایک حصّہ اور مہمان نوازی کی
بہترین روایات کی آئینہ دار بن چکی ہیں -
احمد کے حلوہ جات پاکستان میں پہلی بار جدید ترین نائٹروجن
پلانٹ پر سیلوفین پیکنگ کے ساتھ ائرٹائٹ ڈبوں میں
پیش کئے جاتے ہیں جن کا ڈھکن آسانی سے کھل جاتا ہے
حلوہ جوزی
AHMED'S
Freshwel
RASGULLA
Freshwel
KARACHI
HALWA
Freshwel
احمد
ایکم (پرائیویٹ) لمیٹڈ
ڈی ۔ ۱۱۲۰ ، نورس روڈ ، سائٹ ، کراچی ۔ فون : ۲۹۴۳۹۱-۹۵

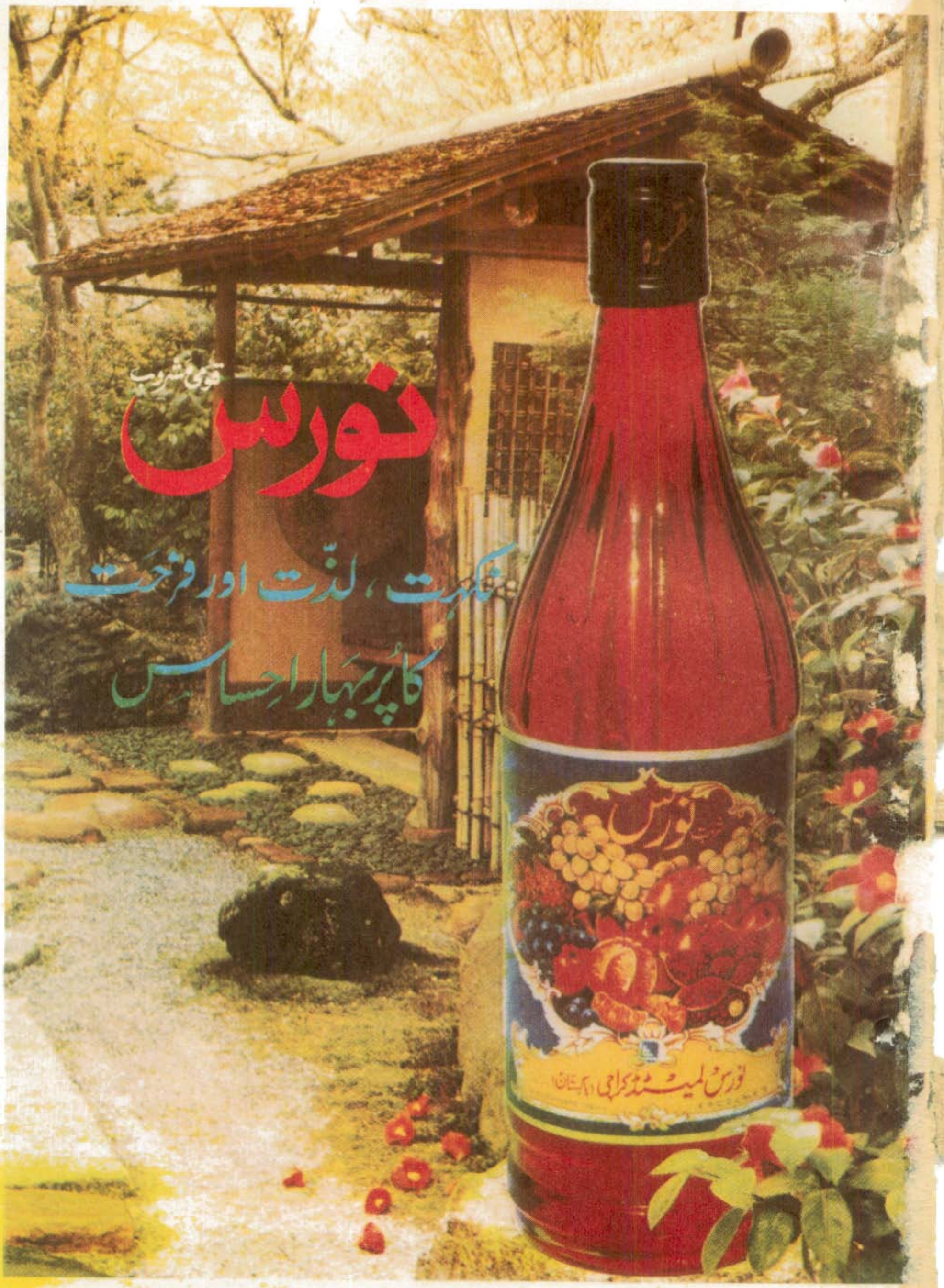

قومی مشروب
نورس
نکہت، لذّت اور فرحت
کا پُر بہار احساس
نورس
نورس لمیٹڈ کراچی (پاکستان)

Everybody likes DANDY Fruit Gums
DANDY
The bubble gums
with 3 fruit flavours
Lemon
Strawberry
Orange
DANDY
Interflow